غیر مسلموں سے تعلقات

اور

مذہبی آزادی

(قرآن وسنت کی روشنی میں)

مفتی محمد سرور فاروقی ندوی
(استاذ: دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر جمعیت پیام امن، لکھنؤ)

مکتبہ پیام امن
ندوہ روڈ، ڈالی گنج، لکھنؤ، یوپی، الھند

جملہ حقوق محفوظ

U-106

نام : غیر مسلموں سے تعلقات اور مذہبی آزادی (قرآن وسنت کی روشنی میں)

مصنف : مفتی محمد سرور فاروقی ندوی

ناشر : مکتبہ پیامِ امن، ندوہ روڈ، ڈالی گنج، لکھنؤ

اردو ایڈیشن : جدید ایڈیشن مع اضافہ شدہ

تعداد کتب : ۱۰۰۰

سال : ۲۰۱۰ء

قیمت : ۸۰

Writer :	Mufti Mohd Sarwar Farooqui Nadwi
Book Name:	Gair Muslimo se Talluqat aur Mazhabi Aazadi
Publisher :	Maktaba Payam-e-Amn, Nadwa Road,Daliganj,lucknow 226020, UP, India
Website:	www.islamicjpamn.org
E-Mail:	tasneemlko2012@gmail.com
Phone No.	9984490150, 9919042879

ملنے کے پتے

۱۔ مجلس تحقیقات ونشریات، ندوۃ العلماء، پوسٹ بکس نمبر ۱۱۹ (لکھنؤ)	05222741539
۲۔ نیوسلور بک ایجنسی، 14، محمد علی روڈ، بھنڈی بازار، ممبئی	0522-27415
۳۔ الفرقان بکڈپو، نظیر آباد ۳۱ (لکھنؤ)	9936635816
۴۔ سبحانیہ بک ڈپو، نیا محلہ، جبل پور، مدھیہ پردیش	9424708020
۵۔ ستیہ فاؤنڈیشن 182-A 5 گرین لینڈ کیمپس، پوکھرپور، کانپور	9935044343
۶۔ مکتبہ شباب جدید، ندوہ روڈ، لکھنؤ	9198621671
۷۔ مکتبہ شاہ ولی اللہ جامع مسجد، دیوبند	8439650526

فہرست

مقدمہ..........	۸
حصہ اول۔قرآن کے مطابق غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات	۱۲
قرآن کے مطابق انسانی تعلقات..........	۱۳
اسلامی تعلیمات اور غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات..........	۱۴
غیر مسلموں کے معبودوں کو بُرا بھلا کہنے کی ممانعت..........	۱۵
غیر مسلموں کے ساتھ انصاف..........	۱۶
دشمنی میں زیادتی کرنے کی ممانعت..........	۱۸
عملی مثال..........	۲۰
غیر مسلم کے خلاف بھی سچی گواہی دینے کی ترغیب..........	۲۱
اسلامی عدالت..........	۲۳
(۱) حضرت زبیر بن عوامؓ اور ایک انصاری کا فیصلہ..........	۲۳
(۲) مخزومی عورت کے مقدمہ کا فیصلہ..........	۲۳
(۳) ایک یہودی کے حق میں فیصلہ..........	۲۴
تمام قوموں سے خوشگوار تعلقات بنانے کی ترغیب..........	۲۴
قرآنِ مجید کی تعلیم..........	۲۷
میثاقِ مدینہ..........	۲۷
قرآن کے مطابق تعلقات اور انسانی حقوق..........	۲۸
تعلقات قائم رکھنے کا حکم..........	۲۹
رشتہ داروں کے ساتھ تعلقات کا حکم..........	۲۹
محتاجوں کے ساتھ اچھے تعلقات کا حکم..........	۳۰
ناحق قتل کی ممانعت..........	۳۱
والدین کے ساتھ اچھے تعلقات کا حکم..........	۳۲
زمین پر اکڑ کر چلنے اور تکبر کرنے کی ممانعت..........	۳۴

غیر مسلموں کے ساتھ اچھے تعلقات کا حکم ۳۵
دین کے معاملے میں حسنِ گفتگو کا حکم ۳۶
دعوت میں حکمت اور حسنِ اخلاق کا حکم ۳۷
اسلام کی مقبولیت ۳۸
دوسروں کے معبودوں کو برا بھلا کہنے کی ممانعت ۳۸
احترام انسانیت کی تعلیم ۳۹
عدل وانصاف کا حکم ۳۹
اسلام کا نظام عدل ۴۰
ظلم سے پرہیز ۴۰
تمام انسانوں کی عزت وتکریم ۴۱
عہد وپیمان کی پابندی ۴۲
امن کے معاہدے ۴۲
مذہبی آزادی کا اصول ۴۳
دعوت میں جبر نہیں ۴۳
برائی کا جواب بھلائی سے ۴۴
خیر خواہی کی تعلیم ۴۵
امانت کی ادائیگی ۴۵
امانت میں خیانت کی اجازت نہیں ۴۶
وعدہ پورا کرنے کا حکم ۴۷
عہد شکنی کی ممانعت ۴۷
کسی کی توہین نہ کرنا ۴۸
تحقیر وتمسخر کی ممانعت ۴۸
تمام انسان ایک خاندان ہیں ۴۹
نسلی تعصب کی ممانعت ۴۹

معاشرتی بھائی چارہ.. ۵۰

حصہ دوم۔قرآن کے مطابق مذہبی آزادی ۵۲

قرآن کے مطابق مذہبی آزادی.. ۵۳
بات پہنچانے کی ذمّہ داری.. ۵۴
اچھی نصیحت کے ذریعہ.. ۵۵
مذہب میں زبردستی نہیں.. ۵۶
دوعیسائی بیٹوں کا واقعہ.. ۵۶
علامہ ابن کثیرؒ کے مطابق.. ۵۷
امام فخر الدین رازیؒ کے مطابق.. ۵۷
جوعمل کرے گا اپنے ہی لیے کرے گا.. ۵۷
جس کا جی چاہے مانے یا نہ مانے.. ۵۸
عمل کا بدلہ.. ۵۹
مذہبی آزادی.. ۶۰
ھدایت کا راستہ.. ۶۱
اپنا اپنا حساب.. ۶۲
حق کی پہچان.. ۶۲
اعمال کا ذمہ دار.. ۶۲
اعمال کا بدلہ.. ۶۳
رسول کے ذمّہ پیغام پہنچانا.. ۶۳
رسول کی ذمہ داری.. ۶۴
خلاصہ.. ۶۴
جذبات کا احترام.. ۶۵
انسانی احترام حجۃ الوداع کا پیغام.. ۶۶
بے مثال اجتماع.. ۶۷

رسول اللہ ﷺ کا خطاب ۶۸
حصہ سوم۔غیر مسلموں کے حقوق اور خلفاء راشدین کے دور میں ان کے تحفظ کا عملی نمونہ ۷۰
غیر مسلموں کے حقوق اور تعلقات ۷۱
غیر مسلم شہری کے قاتل پر جنت حرام ہے ۷۱
غیر مسلم مذہبی پادریوں کے قتل کی ممانعت ۷۲
مسلم اور غیر مسلم کا قصاص اور دیت ۷۲
غیر مسلم پر ظلم کی ممانعت ۷۲
غیر مسلم شہری کا مال چُرانے والے پر اسلامی حد ۷۳
مظلوم غیر مسلم شہری کی وکالت کا اعلان ۷۴
غیر مسلم شہریوں کا اندرونی جارحیت سے تحفظ ۷۴
غیر مسلم شہریوں کی بیرونی جارحیت سے تحفظ ۷۵
بلا امتیاز قتل عام کی ممانعت ۷۶
غیر مسلموں کے بچوں کے قتل کی ممانعت ۷۷
اسلامی لشکر کو ہدایت ۷۷
غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کا تحفظ ۷۷
غیر مسلموں کو آگ میں جلانے کی ممانعت ۷۹
غیر مسلموں کے گھروں کی لوٹ مار کرنے کی ممنوع ۷۹
دشمن کے مویشیوں، فصلوں اور املاک کو نقصان پہنچانے کی ممانعت ۸۰
خلفاء راشدین کے ادوار میں غیر مسلم شہریوں کا تحفظ ۸۱
عہدِ صدیقی میں غیر مسلم شہریوں کا تحفظ ۸۱
حضرت ابوبکر صدیقؓ کی فوجی ہدایات ۸۱
جنگ کے دوران غیر مسلموں اور راہبوں کے تحفظ کا حکم ۸۲
معاہدات کی پابندی کا حکم ۸۲
مذہبی شخصیات اور عبادت گاہوں کا احترام ۸۲

عہد فاروقی میں غیر مسلموں کے تحفظ ۸۳
حضرت عمرؓ کا ایک بوڑھے یہودی کی کفالت کرنا ۸۳
حضرت عمرؓ کی آخری وصیت ۸۳
حضرت علیؓ کا مساوی عدل ۸۴
حضرت عمرؓ کے ذریعہ اقلیتوں کے حالات معلوم کرنا ۸۴
شام کے گورنر کو فرمان ۸۴
غیر مسلموں کے لئے وصیت ۸۵
عہدِ عثمانی میں غیر مسلم شہریوں کا تحفظ ۸۵
عہد و پیمان کی پابندی کا حکم ۸۵
عبادت گاہوں اور مذہبی آزادی کا تحفظ ۸۶
غیر مسلم رعایا پر ظلم سے ممانعت ۸۶
عہدِ علوی میں غیر مسلم شہریوں کا تحفظ ۸۶
ایک عیسائی کے ساتھ مقدمہ میں مساوی انصاف ۸۷
رعایا کے ساتھ عدل وانصاف کی تاکید ۸۷
بیت المال میں مساوات ۸۸

❁❁❁

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علی رسولہ الکریم، اما بعد:

ہر قسم کی حمد و ثنا اس ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے ہے جس نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا، اسے عقل و شعور کی دولت سے نوازا، خیر و شر میں تمیز عطا فرمائی اور اپنی ہدایت کے لیے انبیائے کرام علیہم السلام کا مبارک سلسلہ قائم فرمایا۔ درود و سلام ہو خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر، جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کے لیے رحمت، امن، عدل، اخوت اور انسانیت کا عملی نمونہ بنا کر مبعوث فرمایا۔

آپ ﷺ نے اپنے قول، فعل اور کردار سے ایک ایسا معاشرہ قائم کیا جس کی بنیاد رنگ، نسل، زبان، وطن اور مذہب کی تفریق پر نہیں بلکہ عدل، رحم، احترامِ انسانیت اور تقویٰ پر رکھی گئی، انسانی تاریخ کا مطالعہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ دنیا میں بیشتر جنگیں، خونریزیاں، نفرتیں اور اجتماعی تباہیاں اس وقت جنم لیتی ہیں جب انسان اپنی مشترک انسانی بنیادوں کو فراموش کر کے نسلی، قومی، لسانی، مذہبی یا جغرافیائی امتیازات کو برتری کا معیار بنا لیتا ہے۔ جب تعصب انصاف پر غالب آ جاتا ہے اور مفادات حقیقت کا چہرہ چھپا دیتے ہیں تو معاشرے نفرت، انتقام اور ظلم کی آماجگاہ بن جاتے ہیں۔

ایسے ہی حالات میں اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی ہدایت کے لیے اپنی آخری کتاب قرآن مجید نازل فرمائی جس نے پوری انسانیت کو یاد دلایا کہ وہ سب ایک ہی باپ

حضرت آدم علیہ السلام اور ایک ہی ماں حضرت حوا علیہا السلام کی اولاد ہیں، لہٰذا اصل فضیلت نہ کسی نسل کی ہے، نہ کسی قوم کی، نہ کسی رنگ کی اور نہ کسی زبان کی، بلکہ حقیقی عزت صرف تقویٰ، کردار اور اخلاق میں ہے۔

اسلام کا یہی آفاقی پیغام اسے دنیا کے دیگر نظام ہائے فکر سے ممتاز کرتا ہے۔ اسلام کسی مخصوص قوم، نسل یا خطے کا مذہب نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے اللہ تعالیٰ کا آخری اور کامل دین ہے۔ اس کا مقصد صرف چند مذہبی رسوم کی تعلیم دینا نہیں بلکہ ایسا متوازن معاشرہ تشکیل دینا ہے جہاں انسان کے جان، مال، عزت، آزادی، مذہبی حقوق اور بنیادی انسانی وقار کا تحفظ یقینی بنایا جائے۔ اسی لیے قرآن مجید میں عدل، احسان، رحم، عفو، رواداری، حسنِ معاشرت، ایفائے عہد، سچائی، امانت داری اور انسانی احترام کو بار بار بنیادی اسلامی اقدار کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

افسوس کہ اسلام کی ان روشن تعلیمات کے باوجود مختلف ادوار میں بعض حلقوں نے اسلام کی حقیقی تصویر کو مسخ کرنے کی کوشش کی۔ قرآن مجید کی چند آیات کو ان کے تاریخی، تفسیری اور شرعی پس منظر سے الگ کر کے اس انداز سے پیش کیا گیا کہ گویا اسلام جبر، تشدد اور تلوار کا مذہب ہے۔ یہ تصور عام کیا گیا کہ اسلام صرف مسلمانوں کے حقوق کا محافظ ہے جبکہ غیر مسلموں کے لیے اس میں کوئی گنجائش نہیں۔ بعض مخالفین کی تحریروں اور ذرائع ابلاغ نے اس تاثر کو مزید تقویت دی، حتیٰ کہ بہت سے غیر مسلم ہی نہیں بلکہ بعض مسلمان بھی اسلام کی اصل تعلیمات سے ناواقف ہوتے گئے۔

حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ قرآن مجید غیر مسلموں کے ساتھ انصاف، حسنِ سلوک، وعدہ کی پابندی، مذہبی آزادی، امن پسند اقوام سے تعاون، مظلوم کی حمایت، عبادت گاہوں کے احترام اور انسانی جان کی حرمت کی واضح تعلیم دیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی پوری حیاتِ مبارکہ اس حقیقت کی عملی تفسیر ہے کہ آپ نے

دشمنوں کے ساتھ بھی عدل کیا، معاہدین کے حقوق کی حفاظت فرمائی، غیر مسلم شہریوں کی جان و مال کو امان دی، عورتوں، بچوں، بوڑھوں، راہبوں اور عبادت گاہوں کو جنگ میں بھی محفوظ قرار دیا، اور فتح مکہ جیسے عظیم موقع پر انتقام کے بجائے عام معافی کا اعلان کر کے دنیا کو وہ اخلاقی معیار عطا کیا جس کی مثال انسانی تاریخ میں کم ہی ملتی ہے۔

زیرِ نظر کتاب ''غیر مسلموں سے تعلقات اور مذہبی آزادی قرآن وسنت کی روشنی میں'' اسی بنیادی حقیقت کو مدلل انداز میں واضح کرنے کی ایک ادنیٰ کوشش ہے۔ اس میں قرآن مجید کی متعدد آیات، رسول اللہ ﷺ کے ارشادات، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عملی نمونے اور اسلامی تاریخ کے مستند واقعات کی روشنی میں یہ دکھانے کی سعی کی گئی ہے کہ اسلام کا اصل مزاج امن، عدل، رواداری، حسنِ اخلاق اور احترام انسانیت ہے۔ اس کتاب میں صرف نظری گفتگو پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ عملی زندگی میں غیر مسلموں کے ساتھ معاملات، معاشرتی تعلقات، مذہبی آزادی، عدل وانصاف، جنگ وامن کے اصول، انسانی حقوق اور اسلامی ریاست کی ذمہ داریوں کو بھی مستند دلائل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اسی طرح اس میں قرآن مجید کی ان آیات کو ایک مربوط ترتیب کے ساتھ جمع کیا گیا ہے جو انسانی تعلقات، معاشرتی اصلاح، عدل وانصاف، حسنِ اخلاق، باہمی احترام اور مذہبی آزادی سے متعلق ہیں۔ ساتھ ہی احادیثِ نبویہ اور آثارِ صحابہؓ کو بھی شامل کیا گیا ہے تاکہ قاری کو یہ معلوم ہو سکے کہ قرآن کی تعلیمات صرف نظری اصول نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں عملی زندگی میں نافذ کر کے ایک مثالی انسانی معاشرہ قائم کیا تھا۔

آج جبکہ دنیا مذہبی انتہا پسندی، نسلی تعصب، تہذیبی تصادم، مذہبی منافرت اور فکری انتشار جیسے سنگین مسائل سے دوچار ہے، ایسے وقت میں اسلام کی اصل تعلیمات کو مستند انداز میں پیش کرنا۔ مختلف مذاہب اور تہذیبوں کے ماننے والوں کے درمیان باہمی

احترام، مکالمہ، انصاف اور تعاون ہی پائیدار امن کی بنیاد بن سکتے ہیں، اور یہی وہ اصول ہیں جنہیں قرآن مجید نے چودہ سو سال پہلے پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا تھا۔

راقم کو امید ہے کہ یہ مختصر علمی کاوش عام قارئین، طلبہ، اساتذہ، ائمہ، خطباء، داعیانِ اسلام، محققین اور بین المذاہب تعلقات پر تحقیق کرنے والوں کے لیے مفید ثابت ہوگی اور اسلام کے متعلق پھیلائی جانے والی بہت سی غلط فہمیوں کے ازالے میں معاون بنے گی۔ اگر اس کتاب کے مطالعہ سے کسی شخص کے دل میں اسلام کی حقیقی اور متوازن تصویر قائم ہو جائے، یا کسی کے اندر انسانیت، عدل اور باہمی احترام کا جذبہ پیدا ہو جائے تو راقم اپنی اس محنت کو بارگاہِ الٰہی میں کامیاب سمجھے گا۔

آخر میں خاکسار ان تمام اہلِ علم، اساتذہ، احباب اور خیر خواہوں کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے مختلف مراحل میں میری رہنمائی، حوصلہ افزائی اور دعاؤں سے معاونت فرمائی، ان کے اخلاص اور خیر خواہی اس کام کے دوران میرے لیے باعثِ تقویت رہی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس معمولی کوشش کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرمائے، اسے امن، عدل، اخوت اور صحیح اسلامی فکر کے فروغ کا ذریعہ بنائے، ہمیں قرآن وسنت کی حقیقی تعلیمات کو سمجھنے، ان پر عمل کرنے اور پوری انسانیت تک حکمت، محبت اور خیر خواہی کے ساتھ پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔ والسلام

محمد سرور فاروقی ندوی
استاذ: دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ
۱۲/ ذی القعدہ ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۰/ اکتوبر ۲۰۱۰ء

حصہ اول

قرآن کے مطابق غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قرآن کے مطابق انسانی تعلقات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد جو عظیم الشان خطبہ ارشاد فرمایا، اس کے مخاطب وہ لوگ تھے جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف اکیس برس تک ظلم وستم، ایذا رسانی، ظلم و جبر، معاشرتی مقاطعہ، ہجرت پر مجبور کرنے، جنگیں مسلط کرنے اور ہر ممکن مخالفت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ لیکن جب اقتدار، قوت اور فیصلہ کرنے کا مکمل اختیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتقام کے بجائے عفو و درگزر، رحمت اور انسانی عظمت کا ایسا بے مثال نمونہ پیش فرمایا جو تاریخِ عالم میں اپنی مثال آپ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا: ''آج تم پر کوئی الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو''۔

(السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ج4، ص54)

یہ محض ایک تاریخی اعلان نہ تھا بلکہ قرآن مجید کی ان دائمی تعلیمات کا عملی مظہر تھا جن میں اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو نفرت کے جواب میں محبت، برائی کے جواب میں بھلائی اور انتقام کے بجائے اصلاح وخیر خواہی کا راستہ اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝۳۴ (سورہ حم ۳۴)

ترجمہ: اور نہیں برابر ہوسکتی نیکی اور نہ بُرائی، دفع کیجئے (برائی کو)

ایسے طریقہ سے جو بہتر ہو، پھر تم دیکھو گے کہ وہی شخص جس کے درمیان تمہاری عداوت تھی، گویا کہ وہ جگری دوست ہو گیا ہے۔

وضاحت: برائی کا جواب برائی سے نہیں بلکہ بھلائی، صبر، عفو اور حسنِ اخلاق سے دینا اسلامی تعلیمات کا بنیادی اصول ہے۔ یہی وہ اعلیٰ اخلاقی معیار ہے جو دشمنی کو دوستی، نفرت کو محبت اور انتقام کو اصلاح میں تبدیل کر دیتا ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر اپنے بدترین دشمنوں کو بھی معاف فرما کر قرآن مجید کی اس تعلیم کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔

اسی اصول کی مزید وضاحت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے سورۂ نحل کی آیت 90 میں عدل، احسان اور حسنِ سلوک کا جامع حکم دیا ہے۔ درحقیقت عدل تمام محاسنِ اعمال کی بنیاد ہے اور احسان عدل کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔ عدل انسان کو ہر شخص کے ساتھ انصاف کرنے کی تعلیم دیتا ہے، جبکہ احسان اس سے بھی آگے بڑھ کر دوسروں کے ساتھ بھلائی، خیر خواہی، درگزر اور حسنِ معاملہ اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے۔

جب معاشرے میں عدل و احسان کو فروغ ملتا ہے تو ظلم، نفرت، انتقام اور عداوت خود بخود ختم ہونے لگتی ہے اور ان کی جگہ امن، محبت، باہمی اعتماد اور اخوت کی فضا قائم ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید کی یہی تعلیمات دراصل انسانی تعلقات کی مضبوط بنیاد ہیں، جن کے ذریعے افراد، خاندان، معاشرے اور مختلف اقوام کے درمیان دیرپا امن، باہمی احترام اور خوشگوار تعلقات قائم کیے جا سکتے ہیں۔

اسلامی تعلیمات اور غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات

اسلام ایک ایسا عالمگیر دین ہے جو انسانیت، عدل، رحمت اور حسنِ اخلاق کی تعلیم دیتا ہے۔ اس نے انسانوں کے درمیان تعلقات کی بنیاد مذہب، نسل، زبان، رنگ یا قومیت پر نہیں بلکہ انسانی شرافت، انصاف اور باہمی احترام پر رکھی ہے۔ قرآنِ مجید نے

واضح کیا ہے کہ تمام انسان ایک ہی ماں باپ، حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام، کی اولاد ہیں، اس لیے ہر انسان بنیادی انسانی احترام کا مستحق ہے۔

اسلام غیر مسلموں کے ساتھ حسنِ سلوک، عدل، ایفائے عہد، خیر خواہی اور پر امن بقائے باہمی کی تعلیم دیتا ہے، اور ان کے جان و مال، عزت و آبرو اور مذہبی آزادی کے تحفظ کو اسلامی معاشرے کی بنیادی ذمہ داری قرار دیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ اس حقیقت کی روشن ترین مثال ہے کہ آپ ﷺ نے غیر مسلموں کے ساتھ ہمیشہ عدل، رحم، شفقت اور حسنِ معاشرت کا برتاؤ فرمایا۔ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ میثاقِ مدینہ کے ذریعے ایک ایسا معاشرہ قائم کیا جس میں تمام شہریوں کو مذہبی آزادی، جان و مال کے تحفظ اور باہمی تعاون کی ضمانت حاصل تھی۔

اسی طرح فتحِ مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے اپنے شدید ترین مخالفین کو بھی عام معافی دے کر یہ ثابت کر دیا کہ اسلام انتقام نہیں بلکہ اصلاح، رحمت اور انسانیت کا علمبردار ہے۔ قرآنِ مجید کی ان آیات کا مطالعہ پیش کیا جا رہا ہے جن میں غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کے بنیادی اصول بیان کیے گئے ہیں، مثلاً عدل و انصاف، مذہبی آزادی، حسنِ سلوک، ایفائے عہد، امن و آشتی، باہمی تعاون اور انسانی احترام۔

ان قرآنی تعلیمات سے یہ حقیقت نمایاں ہوتی ہے کہ اسلام کسی بھی بے گناہ انسان پر ظلم، زیادتی یا جبر کی اجازت نہیں دیتا بلکہ ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جہاں مختلف مذاہب اور قوموں کے لوگ امن، انصاف اور باہمی احترام کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔

غیر مسلموں کے معبودوں کو بُرا بھلا کہنے کی ممانعت

اسلام نے صرف اپنے ماننے والوں کے حقوق ہی کی حفاظت نہیں کی بلکہ دوسروں کے مذہبی جذبات کے احترام کی بھی تعلیم دی ہے۔ انسانی معاشرے میں فساد،

نفرت اور مذہبی کشیدگی کے بڑے اسباب میں سے ایک دوسرے کے عقائد اور مقدسات کی توہین بھی ہے۔ اسی لیے قرآنِ مجید نے اختلافِ عقیدہ کے باوجود گفتگو میں شائستگی، وقار اور حکمت کو اختیار کرنے کی تلقین کی ہے تاکہ معاشرہ نفرت اور انتقام کے بجائے امن، رواداری اور باہمی احترام کی بنیاد پر قائم رہے۔

اسی مقصد کے تحت فساد کے اسباب کا سدِّ باب کرتے ہوئے کسی کو بُرا بھلا کہنے سے ہی منع کر دیا گیا ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ (سورہ انعام ۱۰۸)

ترجمہ: اور نہ گالیاں دو اُن کو جنہیں وہ پکارتے ہیں اللہ کے سوا کہ (کہیں) وہ بھی بُرا بھلا کہنے لگیں اللہ کو، حد سے آگے بڑھ کر بغیر علم کے"۔

وضاحت: یہ آیت اسلامی دعوت و تبلیغ کا نہایت حکیمانہ اصول بیان کرتی ہے کہ اختلافِ مذہب کے باوجود زبان میں شائستگی، اعتدال اور وقار ہونا چاہیے۔ اسلام باطل عقائد کی تردید ضرور کرتا ہے لیکن گالی، تحقیر اور اشتعال انگیزی کی اجازت نہیں دیتا، کیونکہ اس سے اصلاح کے بجائے نفرت اور فساد پیدا ہوتا ہے۔

جب ایک دوسرے کے مذہبی جذبات کو مجروح نہیں کیا جائے گا تو باہمی احترام باقی رہے گا، بدامنی جنم نہیں لے گی اور معاشرتی تعلقات بھی خراب نہیں ہوں گے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کسی بھی ایسے عمل سے روکتا ہے جس کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی یا معاشرتی فساد کی صورت میں نکلے۔

غیر مسلموں کے ساتھ انصاف

اسلام کا نظامِ عدل اس قدر جامع اور غیر جانب دار ہے کہ وہ دوست اور دشمن، مسلمان اور غیر مسلم، امیر اور غریب، سب کو ایک ہی میزانِ انصاف میں تولتا ہے۔ قرآن مجید نے واضح کر

دیا کہ محبت اور دشمنی دونوں ایسی چیزیں ہیں جو انسان کے فیصلوں پر اثر انداز ہوسکتی ہیں، لیکن ایک مومن کی شان یہ ہے کہ وہ ہر حال میں انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔

عدل و انصاف کی تراز و ایسی سیدھی اور متوازن ہونی چاہیے کہ نہ عمیق محبت اس کے ایک پلڑے کو جھکا سکے اور نہ شدید عداوت دوسرے پلڑے کو۔ حق کا فیصلہ صرف حق کی بنیاد پر ہو، جذبات، تعصب اور نفسانی خواہشات کی بنیاد پر نہیں۔

اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۞

ترجمہ: ''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم ہو جاؤ قائم رہنے والے (حق پر) اللہ کے لئے، گواہی دینے والے انصاف کے ساتھ اور نہ آمادہ کرے تمہیں دشمنی، کسی قوم کی، اس بات پر کہ نہ تم عدل کرو، تم عدل کرو یہی بات زیادہ قریب ہے تقویٰ کے اور ڈرتے رہو اللہ سے، بیشک اللہ خوب باخبر ہے اس سے جو کچھ تم کرتے ہو''۔ (سورہ مائدہ:۸)

وضاحت: عدل کا مطلب ہے کسی کے ساتھ بغیر افراط و تفریط کے ایسا معاملہ کرنا جس کا وہ حقیقتاً مستحق ہو۔ اسلام کا انصاف صرف دوستوں تک محدود نہیں بلکہ دشمنوں کے لیے بھی یکساں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے دشمنی کی حالت میں بھی انصاف کو لازم قرار دیا ہے۔ جب عدالت، تجارت، معاشرت، سیاست اور بین الاقوامی تعلقات سب انصاف کی بنیاد پر استوار ہوں گے تو ظلم، انتقام اور ناانصافی کی جڑ خود بخود ختم ہو جائے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی عملی زندگی بھی اسی عدل کی روشن مثال ہے۔ فتحِ خیبر کے بعد وہاں کی زمین نصف پیداوار کی بنیاد پر یہودیوں کے سپرد کی گئی اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو پیداوار کی تقسیم کے لیے مقرر فرمایا گیا۔ آپؓ پیداوار کو دو برابر حصوں میں تقسیم کر

کے یہودیوں سے فرماتے: ''جو حصہ چاہو، اپنے لیے منتخب کرلو''۔ اس غیر جانب دارانہ طرزِ عمل کو دیکھ کر یہودی بے ساختہ کہہ اٹھے: ''اسی عدل کی بنیاد پر آسمان وزمین قائم ہیں''۔

یہ واقعہ اس حقیقت کا روشن ثبوت ہے کہ اسلامی عدل مذہب، قوم اور نسل کی بنیاد پر تبدیل نہیں ہوتا بلکہ ہر شخص کے لیے یکساں رہتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عہد و پیمان کی پابندی کو بھی عدل کا لازمی تقاضا قرار دیتے ہوئے فرمایا:

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ﴿۷۶﴾

ترجمہ: کیوں نہیں! جو اپنے عہد کو پورا کرے اور اللہ سے ڈرتا رہے تو بے شک اللہ تعالیٰ متقی لوگوں سے محبت کرتا ہے''۔ (سورۃ آل عمران: 76)

وضاحت: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں معاہدات کی پابندی، وعدوں کی پاسداری اور انصاف پر قائم رہنا صرف اخلاقی خوبی نہیں بلکہ تقویٰ کی علامت اور اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ یہی وہ اصول ہیں جن کی بنیاد پر اسلام نے ایک ایسا معاشرہ قائم کیا جس میں مذہب، نسل یا قوم کی بنیاد پر کسی کے ساتھ ناانصافی کی اجازت نہیں دی گئی۔

اسی طرح ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک یہودی کا جنازہ گزرا تو آپ ﷺ احتراماً کھڑے ہوگئے۔ صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! یہ تو ایک یہودی کا جنازہ ہے''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: أَلَيْسَتْ نَفْسًا؟ ترجمہ: ''کیا وہ ایک انسان نہیں تھا؟''۔ (بخاری: 1312)

اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ہر انسان کی عزت و حرمت کا قائل ہے اور مذہب کا اختلاف کسی انسان کے بنیادی احترام کو ختم نہیں کرتا۔

دشمنی میں زیادتی کرنے کی ممانعت

اسلام کا نظامِ عدل و اخلاق صرف امن کے حالات تک محدود نہیں بلکہ دشمنی اور

جنگ کے مواقع پر بھی انسان کو انصاف، اعتدال اور تقویٰ کا پابند بناتا ہے۔قرآنِ مجید نے واضح کر دیا ہے کہ اگر کسی قوم نے مسلمانوں پر ظلم کیا ہو، ان کے مذہبی حقوق سلب کیے ہوں یا انہیں تکلیف پہنچائی ہو، تب بھی مسلمانوں کو انتقام کے جذبے میں حدودِ الٰہی سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں۔

اسلام ظلم کا جواب ظلم سے نہیں بلکہ عدل، تقویٰ اور اخلاقِ عالیہ سے دینے کی تعلیم دیتا ہے تاکہ دشمنی بھی انسان کو انصاف کے راستے سے نہ ہٹا سکے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲﴾

ترجمہ: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نہ بے حرمتی کرو اللہ کے نشانیوں کی اور نہ حرمت والے مہینے (رجب، ذیقعدہ، ذالحجہ، محرم) کی نہ قربانی کے جانوروں کی اور نہ اُن جانوروں کی جن کی گردنوں میں پٹے پڑے ہوں اور نہ بیت الحرام کا قصد کرنے والے لوگوں کی جو اپنے رب کے فضل اور اس کی خوشنودی کی چاہ میں (جا رہے ہوں) اور جب احرام کی حالت سے باہر ہو جاؤ تو شکار کر سکتے ہو اور نہ آمادہ کرے تم کو دشمنی کسی قوم کی، کہ اس نے روکا تھا تم کو مسجد حرام سے اس (بات) پر تم زیادتی کرنے لگو اور تعاون کرو نیکی میں اور پرہیزگاری میں اور مت تعاون کرو گناہ میں اور سرکشی کے کاموں میں اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے''۔(سورہ مائدہ:۲)

وضاحت: یہ آیت اسلامی اخلاق اور بین الاقوامی تعلقات کا ایک نہایت عظیم اصول بیان کرتی ہے کہ دشمنی بھی انصاف کی حدود کو پامال کرنے کا جواز نہیں بن سکتی۔

صلحِ حدیبیہ سے پہلے قریشِ مکہ نے مسلمانوں کو عمرہ ادا کرنے سے روک دیا تھا، جس سے مسلمانوں کے دلوں کو شدید صدمہ پہنچا، لیکن جب بعد میں مسلمانوں کو اقتدار حاصل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ سابقہ ظلم و زیادتی کے باوجود قریش کے ساتھ انتقامی رویہ اختیار نہ کیا جائے اور نہ ہی ان کی زیادتی کو اپنی زیادتی کا بہانہ بنایا جائے۔ بلکہ ہر حال میں عدل، تقویٰ اور اخلاقِ نبوی کو مقدم رکھا جائے۔

اسی آیت میں ایک اور ابدی اصول بھی بیان کیا گیا کہ ''نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کرو، لیکن گناہ اور ظلم میں ہرگز تعاون نہ کرو''۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ہر اس تعاون کی حوصلہ افزائی کرتا ہے جو امن، انصاف، خیرخواہی اور انسانی بھلائی کے لیے ہو، خواہ اس میں غیر مسلم بھی شریک ہوں، جبکہ ظلم، جارحیت، فساد اور ناانصافی میں کسی قسم کی شرکت یا معاونت کو سختی سے ممنوع قرار دیتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا یہ حصہ: وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اس واقعہ کے بارے میں نازل ہوا جب مشرکینِ مکہ نے مسلمانوں کو حدیبیہ کے مقام پر مسجدِ حرام میں داخل ہونے سے روک دیا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ اس سابقہ عداوت کی وجہ سے وہ حد سے تجاوز نہ کریں۔

(جامع البیان، سورۃ المائدہ (2:5)؛ تفسیر القرآن العظیم، سورۃ المائدہ (2:5)؛ الجامع لأحکام القرآن، سورۃ المائدہ (2:5))

عملی مثال

اسی طرح صلحِ حدیبیہ بھی اس آیت کی عملی تفسیر ہے۔ قریش نے مسلمانوں کو عمرہ کرنے سے روک دیا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جذبات میں آ کر جنگ یا انتقام کا راستہ اختیار نہیں فرمایا بلکہ صلح کو قبول کیا، حالانکہ بظاہر اس کے بعض شرائط مسلمانوں کے لیے سخت محسوس ہو رہے تھے۔ بعد میں یہی صلح اسلام کی عظیم فتح کا ذریعہ بنی اور ثابت ہوا کہ صبر، عدل اور حکمت، انتقام سے کہیں زیادہ مؤثر ہوتے ہیں۔

اس قرآنی تعلیم کا سب سے روشن عملی نمونہ فتحِ مکہ کے موقع پر سامنے آتا ہے۔ اہلِ مکہ نے تقریباً اکیس برس تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے، انہیں سخت اذیتیں دیں، وطن چھوڑنے پر مجبور کیا، ان کے خلاف متعدد جنگیں لڑیں اور صلحِ حدیبیہ سے قبل انہیں مسجدِ حرام میں داخل ہونے سے بھی روک دیا۔لیکن جب آٹھ ہجری میں مکہ فتح ہوا اور مکمل اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ میں آ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتقام لینے کے بجائے عفو و درگزر کا ایسا عظیم نمونہ پیش فرمایا جس کی مثال تاریخِ عالم میں مشکل سے ملتی ہے۔

یہ تعلیم اس حقیقت کو نمایاں کرتی ہے کہ اسلام کا مطلوب معاشرہ انتقام پر نہیں بلکہ عدل، رحم، تقویٰ اور اخلاقِ عالیہ پر قائم ہوتا ہے، جہاں دشمن بھی ظلم کا مستحق نہیں بلکہ انصاف کا حق دار ہوتا ہے۔

غیر مسلم کے خلاف بھی سچی گواہی دینے کی ترغیب

اسلام میں عدل وانصاف کی بنیاد صرف مسلمانوں کے باہمی معاملات تک محدود نہیں بلکہ غیر مسلموں کے حقوق کے تحفظ کو بھی اسی اہمیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔قرآنِ مجید نے واضح کر دیا ہے کہ گواہی دیتے وقت مذہب، قوم، رشتہ داری، دولت، غربت، محبت یا دشمنی میں سے کوئی چیز بھی حق وانصاف پر اثر انداز نہیں ہونی چاہیے۔ایک مومن کی شان یہ ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے حق بات کہے،خواہ وہ اس کے اپنے مفاد یا اپنے قریبی عزیزوں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔اسی لیے قرآنِ مجید نے سچی گواہی کو ایمان کا لازمی تقاضا قرار دیا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُونُوا۟ قَوَّٰمِينَ بِٱلْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰٓ أَنفُسِكُمْ أَوِ ٱلْوَٰلِدَيْنِ وَٱلْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَٱللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا۟ ٱلْهَوَىٰٓ أَن تَعْدِلُوا۟ ۚ وَإِن تَلْوُۥٓا۟ أَوْ تُعْرِضُوا۟

فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿١٣٥﴾ (سورہ نساء: ۱۳۵)

ترجمہ: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم ہو جاؤ قائم رہنے والے انصاف پر، گواہی دینے والے اللہ کے لئے، اگر چہ وہ تمہاری اپنی جانوں کے خلاف ہو، یا والدین کے اور رشتہ داروں کے، اگر وہ (شخص) ہو مالدار یا فقیر تو اللہ زیادہ حقدار ہے ان دونوں کا، چنانچہ نہ تم پیروی کرو خواہش کی، یہ کہ نہ تم عدل کرو اور اگر گھما پھرا کر بات کرو گے (گواہی میں) یا اعراض کرو گے تو بیشک اللہ ہے وہ جو تم کرتے ہو، اس سے پوری طرح باخبر''۔

وضاحت:

یہ آیت اسلام کے نظامِ عدل کا ایک بنیادی اور آفاقی اصول بیان کرتی ہے کہ حق بات کہنا اور سچی گواہی دینا ہر حال میں واجب ہے، خواہ وہ کسی مسلمان کے خلاف ہو یا کسی غیر مسلم کے حق میں۔

کسی شخص کا مذہب، رشتہ داری، دولت، غربت، سماجی حیثیت یا سیاسی اثر ورسوخ انصاف کے معیار کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ مومن وہ ہے جو اپنی خواہشات، ذاتی مفادات اور جذبات کو حق کے تابع رکھے، نہ کہ حق کو اپنی خواہشات کے تابع بنادے۔

چنانچہ انسان کے لیے یہ ایک بڑا امتحان ہے کہ وہ ہر حال میں سچائی پر قائم رہے اور سچی گواہی دینے میں ذرہ برابر بھی تردد نہ کرے، اگر چہ اس کی وجہ سے خود اسے، اس کے والدین یا اس کے قریبی رشتہ داروں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ اسی طرح کسی مالدار کے مال و دولت، منصب یا اثر و رسوخ سے مرعوب ہو کر، یا کسی غریب پر بے جا ترس کھا کر حقیقت کو بدل دینا بھی اسلام کی نظر میں ناجائز ہے، کیونکہ عدل کا تقاضا یہ ہے کہ فیصلہ صرف حقائق کی بنیاد پر کیا جائے۔

● حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے

اہلِ ایمان کو حکم دیا ہے کہ وہ ہر حال میں انصاف پر قائم رہیں اور گواہی دیتے وقت کسی کی محبت، دشمنی، رشتہ داری یا دنیاوی منفعت کو اپنے فیصلے پر اثر انداز نہ ہونے دیں۔
(جامع البیان، سورۃ النساء (4:135)، الجامع لأحکام القرآن، سورۃ النساء، 4:135)

اسلامی عدالت

اسی اصول کی عملی مثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں بھی ملتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ حق اور انصاف کی بنیاد پر فیصلے فرمائے اور کبھی کسی مسلمان کو صرف مسلمان ہونے کی وجہ سے ترجیح نہیں دی۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی عدالت میں اگر کسی غیر مسلم کا حق ثابت ہو جائے تو اس کے حق میں فیصلہ دینا بھی شرعاً واجب ہے۔

یہی وہ اعلیٰ معیارِ انصاف ہے جس نے اسلامی عدلیہ کو دنیا کے سامنے عدل و دیانت کی روشن مثال بنا دیا۔

(۱) حضرت زبیر بن عوامؓ اور ایک انصاری کا فیصلہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حضرت زبیر بن عوامؓ اور ایک انصاری کے درمیان کھجور کے باغ کی آبپاشی کا تنازع پیش ہوا۔

ابتدا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مصالحت کی صورت اختیار کرتے ہوئے حضرت زبیرؓ کو نرمی کا مشورہ دیا، لیکن جب دوسرے فریق نے اعتراض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکمل انصاف کے مطابق فیصلہ فرمایا کہ حضرت زبیرؓ پہلے اپنے باغ کو پورا پانی دیں، پھر پانی دوسرے کے لیے چھوڑیں۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی فیصلہ جذبات یا دباؤ کے بجائے صرف حق و انصاف کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ (فتح الباری، ج5، ص44، دار المعرفہ، بیروت)

(۲) مخزومی عورت کے مقدمہ کا فیصلہ

قبیلۂ بنو مخزوم کی ایک معزز عورت نے چوری کی۔ بعض لوگوں نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کے ذریعے سفارش کرائی کہ اس پر حد نافذ نہ کی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت

ناراض ہوئے اور فرمایا:

''اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا''۔

(صحیح بخاری:3475)

اس فرمان سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں قانون سب کے لیے برابر ہے، نہ نسب، نہ منصب اور نہ سماجی حیثیت انصاف کے راستے میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔

(۳) ایک یہودی کے حق میں فیصلہ

مدینہ میں ایک مسلمان اور ایک یہودی کے درمیان زرہ (ڈھال) کا مقدمہ پیش ہوا۔ مسلمان نے دعویٰ کیا، لیکن اس کے پاس کوئی معتبر گواہ نہ تھا، جبکہ یہودی نے اپنے دعوے کا انکار کیا۔ شرعی اصول کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے گواہ طلب کیے، مگر ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے فیصلہ یہودی کے حق میں ہوا۔ اس موقع پر قرآنِ مجید کی آیات بھی نازل ہوئیں جن میں خیانت کرنے والے مسلمان کی حمایت سے منع کیا گیا۔

(تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورۃ النساء (113105)، ج2، ص395-400)

تمام قوموں سے خوشگوار تعلقات بنانے کی ترغیب

اسلام صرف عبادات کا مذہب نہیں بلکہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو انسانوں کے درمیان محبت، اخوت، خیر خواہی اور باہمی اعتماد کو فروغ دیتا ہے۔ قرآنِ مجید نے ایسے تمام اخلاقی اور معاشرتی اسباب کی نشاندہی کی ہے جو افراد اور اقوام کے درمیان نفرت، بداعتمادی اور اختلافات کو جنم دیتے ہیں، اور ان سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے۔

اسی مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے سورۂ حجرات میں ایک ایسا جامع اخلاقی دستور عطا فرمایا ہے جس پر عمل کر کے نہ صرف ایک مثالی اسلامی معاشرہ تشکیل دیا جا سکتا ہے بلکہ مختلف قوموں، مذاہب اور تہذیبوں کے درمیان بھی امن، احترام اور خوشگوار تعلقات قائم کیے جا سکتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا
قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ۞ ۶ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ
فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ
اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ
وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۞ ۷ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ
وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۞ ۸ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا
فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ
تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ
وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۞ ۹ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ
فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۞ ۱۰ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ
مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا
تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ
يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۞ ۱۱ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا
مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ
بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۞ ۱۲ (سورہ الحجرات: ٦ تا ١٢)

ترجمہ: ''اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو، اگر لے کر آئے تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر، تو تحقیق کرلیا کرو (اس کی) کہیں ایسا نہ ہو کہ تم نقصان پہنچا بیٹھو کسی قوم کو نادانی سے، پھر تم ہو جاؤ اس پر جو کچھ تم نے کیا نادم۔ اور تم جان لو! کہ بیشک تم میں موجود ہے اللہ کا رسول، اگر مان لیا کرے وہ تمہاری بات بہت سے معاملات میں، تو تم مشکلات میں مبتلا ہو جاؤ، لیکن اللہ نے محبت عطا کردی ہے تم کو ایمان کی اور پسندیدہ بنا دیا ہے اسے، تمہارے دلوں کے لئے اور نفرت دلا دی ہے تمہیں کفر اور فسق

اور نافرمانی سے، ایسے ہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں''۔

''اللہ کے فضل سے اور اس کے احسان سے اور اللہ خوب جاننے والا اور بڑی حکمت والا ہے۔ اور اگر دو گروہ مومنوں کے آپس میں لڑ پڑیں تو صلح کرادو ان دونوں کے درمیان، پھر اگر زیادتی کرے ان میں سے ایک دوسرے گروہ پر، تو تم لڑو اس سے جو زیادتی کرتا ہو، یہاں تک کہ وہ پلٹ آئے اللہ کے حکم کی طرف، پھر اگر وہ پلٹ آئے تو صلح کرادو ان دونوں گروہوں کے درمیان، عدل کے ساتھ اور انصاف کرو، بلاشبہ اللہ پسند کرتا ہے انصاف کرنے والوں کو۔ یقیناً مومن تو (آپس میں) بھائی ہیں، لہٰذا صلح کرادیا کرو، اپنے بھائیوں کے درمیان اور ڈرو اللہ سے تاکہ تم پر رحم کیا جائے''۔

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! نہ مذاق اڑائے ایک قوم (مرد) دوسری قوم (مرد) کا، ہوسکتا ہے کہ وہ (جن کا مذاق اڑایا جارہا ہے) ہوں بہتر ان سے اور نہ (مذاق اڑائیں) عورتیں عورتوں کا، ہوسکتا ہے کہ ہوں وہ (جن کا مذاق اڑایا جارہا ہے) بہتر ان (مذاق اڑانے والیوں) سے اور نہ تم عیب لگاؤ آپس میں (ایک دوسرے پر) اور نہ پکارو ایک دوسرے کو، برُے لقبوں سے، بہت برُا ہے نام (پیدا کرنا) فسق میں ایمان کے بعد اور جس نے، توبہ کی (اس کام سے) تو وہی لوگ ہیں ظالم''۔

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! بچتے رہو بہت سی بدگمانیوں سے، بلاشبہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں اور نہ تم جاسوسی کرو (کسی کی) اور نہ عیب جوئی کرے تم میں سے کوئی دوسرے کی، کیا پسند کرے گا تم میں سے کوئی شخص یہ کہ وہ کھائے گوشت اپنے مرُدہ بھائی کا؟ پس تم ناپسند کرتے ہو اس کو اور تم ڈرو

اللہ سے، بلاشبہ اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے''۔

وضاحت: یہ مبارک آیات اسلامی معاشرت اور بین الاقوامی تعلقات کا ایک جامع ضابطہ پیش کرتی ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ نے ان تمام اخلاقی بیماریوں کی اصلاح فرمائی ہے جو افراد، خاندانوں، معاشروں اور قوموں کے درمیان نفرت اور اختلاف کا سبب بنتی ہیں۔

چنانچہ بغیر تحقیق کسی خبر کو قبول نہ کرنا، دو متخاصم گروہوں میں عدل کے ساتھ صلح کرانا، مذاق اُڑانے، طعن و تشنیع، برے القابات سے پکارنے، بدگمانی، جاسوسی اور غیبت سے اجتناب کرنا، یہ سب ایسے سنہری اصول ہیں جو ایک پُرامن اور باوقار معاشرے کی بنیاد رکھتے ہیں۔

قرآنِ مجید کی تعلیم

قرآنِ مجید یہ تعلیم دیتا ہے کہ کسی فرد یا قوم کے بارے میں محض افواہوں، قیاس آرائیوں یا جذبات کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کرنا چاہیے، بلکہ ہر خبر کی تحقیق ضروری ہے۔ اسی طرح اختلافات کو بڑھانے کے بجائے مصالحت اور اصلاح کو ترجیح دی جائے، کیونکہ حقیقی طاقت لڑائی میں نہیں بلکہ دلوں کو جوڑنے میں ہے۔

اگر معاشرہ ان قرآنی ہدایات پر عمل پیرا ہو جائے تو نفرت کی جگہ محبت، بداعتمادی کی جگہ اعتماد اور دشمنی کی جگہ اخوت و رواداری فروغ پائے گی، اور پوری دنیا امن و سکون کا گہوارہ بن سکتی ہے۔

میثاقِ مدینہ

ان قرآنی تعلیمات کا سب سے روشن عملی نمونہ میثاقِ مدینہ ہے۔ مدینہ منورہ ہجرت کے بعد مختلف قبائل، مذاہب اور قوموں کا مشترکہ شہر تھا، جہاں مسلمان، یہود اور دیگر قبائل آباد تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باہمی اختلافات کو ختم کرنے اور تمام شہریوں کے درمیان امن و امان قائم رکھنے کے لیے ایک تاریخی معاہدہ مرتب فرمایا، جو تاریخ میں ''میثاقِ مدینہ'' کے نام سے معروف ہے۔

اس معاہدے میں تمام فریقوں کو مذہبی آزادی، جان و مال کے تحفظ، عدل و انصاف اور باہمی تعاون کی ضمانت دی گئی، نیز یہ طے کیا گیا کہ اگر مدینہ پر کوئی حملہ ہوتو تمام فریق مل کر اس کا دفاع کریں گے اور کسی مظلوم کے ساتھ زیادتی نہیں ہونے دی جائے گی۔

یہ معاہدہ اس حقیقت کا واضح ثبوت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مختلف مذاہب اور قوموں کے درمیان خوشگوار تعلقات، باہمی احترام، امن اور عدل پر مبنی معاشرے کے قیام کے خواہاں تھے، نہ کہ تصادم اور نفرت کے۔

(السیرۃ النبویۃ، ج ۲ص ۱۴۷-۱۵۰،الطبقات الکبری، ج ا ص ۱۷۱-۲۷۴،البدایۃ والنہایۃ، ج ۳ص ۲۲۴-۲۲۶)

اسی طرح جب بنو مُصطلق کے بارے میں حضرت ولید بن عقبہؓ ایک خبر لے کر آئے تو اللہ تعالیٰ نے فوراً تحقیق کا حکم نازل فرمایا: فَتَبَيَّنُوا (سورۂ حجرات: 6)۔ رسول اللہ ﷺ نے خبر سن کر فوراً کارروائی نہیں فرمائی بلکہ حقیقت کی تحقیق کرائی، جس سے معلوم ہوا کہ خبر درست نہیں تھی۔

اس طرح ایک بڑی خونریزی اور دو جماعتوں کے درمیان فساد پیدا ہونے سے بچ گیا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام افواہوں کے بجائے تحقیق، اور تصادم کے بجائے امن و اصلاح کا داعی ہے۔

(جامع البیان، تفسیر سورۂ حجرات (6:49)، ج 22، ص 286-289، تفسیر القرآن العظیم، تفسیر سورۂ حجرات (6:49)، ج 7، ص 377-380)

قرآن کے مطابق تعلقات اور انسانی حقوق

وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾ (سورہ رعد: ۲۱)

ترجمہ: ''اور یہ ایسے ہیں کہ اللہ نے جن تعلقات کو قائم رکھنے کا حکم کیا ہے انکو قائم رکھتے ہیں اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور سخت عذاب سے گھبراتے ہیں''۔

تعلقات قائم رکھنے کا حکم

وضاحت: اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کی ایک اہم صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ ہر اس تعلق کو قائم رکھتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اس میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ سے بندگی اور اطاعت کا تعلق، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع، والدین، رشتہ داروں، پڑوسیوں، اہلِ ایمان اور عام انسانوں کے ساتھ حسنِ تعلقات شامل ہیں۔

اسلام محض عبادات کا مذہب نہیں بلکہ ایک مکمل معاشرتی نظام ہے، جس کی بنیاد محبت، صلہ رحمی، خیر خواہی، تعاون اور حسنِ اخلاق پر قائم ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلقات کو توڑنا، قطع رحمی کرنا، نفرتیں پھیلانا اور لوگوں سے بے تعلقی اختیار کرنا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ ایک صالح مسلمان وہ ہے جو اپنے خاندان، عزیز و اقارب، پڑوسیوں اور معاشرے کے تمام افراد کے ساتھ حسنِ سلوک اختیار کرے، ان کے حقوق ادا کرے اور ہر حال میں عدل و انصاف کا دامن نہ چھوڑے۔ یہی طرزِ عمل دنیا میں امن و سکون اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ بنتا ہے۔

رشتہ داروں کے ساتھ تعلقات کا حکم

وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَ بَنِىۡٓ اِسۡرَآءِيۡلَ لَا تَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا وَّذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَقُوۡلُوۡا لِلنَّاسِ حُسۡنًا وَّاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّيۡتُمۡ اِلَّا قَلِيۡلًا مِّنۡكُمۡ وَاَنۡتُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ۝۸۳ (سورہ بقرہ: ۸۳)

ترجمہ: ''اور جب ہم نے توریت میں بنی اسرائیل سے قول و قرار لیا کہ سوائے اللہ کے کسی کی عبادت مت کرنا اور ماں باپ کی اچھی طرح خدمت گزاری کرنا، اسی طرح اہل قرابت یعنی رشتہ داروں یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کرنا اور عوام الناس سے خوش خلقی سے

پیش آنا یا ان سے اچھی طرح بات کرنا''۔

وضاحت: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عبادتِ الٰہی کے فوراً بعد والدین، رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے حقوق کا ذکر فرمایا، جس سے ان کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ خصوصاً ''ذِي الْقُرْبَىٰ'' (اہلِ قرابت) کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام میں صلہ رحمی اور خاندانی تعلقات کی بڑی اہمیت ہے۔

رشتہ داروں کے ساتھ محبت، ان کی خبر گیری، مالی و اخلاقی تعاون، بیماری میں عیادت، خوشی و غمی میں شرکت اور ضرورت کے وقت ان کی مدد کرنا اسلامی اخلاق کا بنیادی تقاضا ہے۔

اس آیت میں صرف رشتہ داروں کے حقوق ہی بیان نہیں کیے گئے بلکہ عمومی سماجی اخلاق بھی سکھائے گئے ہیں، جیسے ہر شخص سے نرم اور اچھی گفتگو کرنا، یتیموں اور مسکینوں کی کفالت کرنا، اور معاشرے کے کمزور طبقات کی مدد کرنا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جہاں خاندان مضبوط ہوں، رشتے محبت اور ہمدردی پر قائم ہوں، اور ہر فرد دوسرے کے حقوق کا خیال رکھے، یہی اسلامی معاشرت کی بنیاد ہے اور اسی سے ایک پرامن، بااخلاق اور مضبوط معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

محتاجوں کے ساتھ اچھے تعلقات کا حکم

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا
وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ
الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ
اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ﴿۳۶﴾

ترجمہ: ''اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور اہل قرابت یتیموں، محتاجوں کے ساتھ بھی، پاس والے پڑوسی اور دور والے پڑوسی کے ساتھ بھی ہم مجلس

کے ساتھ بھی اور راہ گیر یعنی مسافر کے ساتھ بھی، اور ان کے ساتھ بھی جو تمہارے مالکانہ قبضہ میں ہیں یعنی غلاموں اور باندیوں کے ساتھ بھی کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتے جو اپنے کو بڑا سمجھتے ہوں اور اپنی شیخی بگھارتے ہوں''۔ (سورہ النساء:۳۶)

وضاحت: اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے بعد معاشرتی حقوق کی ایک جامع فہرست بیان فرمائی ہے۔ ان میں خاص طور پر مساکین (محتاجوں) کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام صرف عبادات تک محدود نہیں بلکہ ضرورت مندوں کی خبر گیری، مالی تعاون اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کو بھی دینی فریضہ قرار دیتا ہے۔

محتاج افراد معاشرے کا کمزور طبقہ ہوتے ہیں، اس لیے ان کی ضروریات پوری کرنا، ان کی عزتِ نفس کا خیال رکھنا، ان کے ساتھ نرم برتاؤ کرنا اور ان کی مشکلات دور کرنے کی کوشش کرنا اسلامی اخلاق کا اہم حصہ ہے۔

اس آیت میں والدین، رشتہ داروں، یتیموں، پڑوسیوں، مسافروں اور ماتحت افراد کے حقوق کو بھی یکجا بیان کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جس میں ہر فرد دوسرے کے لیے رحمت، ہمدردی اور تعاون کا ذریعہ بنے۔ آیت کے آخر میں تکبر اور خود پسندی سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ غرور انسان کو دوسروں کے حقوق ادا کرنے سے روکتا ہے، جبکہ عاجزی، سخاوت اور حسنِ اخلاق ہی ایک مثالی اسلامی معاشرے کی بنیاد ہیں۔

ناحق قتل کی ممانعت

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ
وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ
وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ
وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿١٥٢﴾

ترجمہ: ’’آپ ان سے کہئے کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناتا ہوں جن کو تمہارے رب نے تم پر حرام قرار دیا ہے اور وہ یہ ہیں: (۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ (۲) والدین کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو (۳) اپنی اولاد کو غربت وافلاس کے ڈر کی وجہ سے قتل مت کرو، ہم تم کو اور ان کو رزق دیں گے (۴) بے حیائی کے تمام طریقوں خواہ اعلانیہ ہوں یا خفیہ ان کے پاس بھی مت جاؤ (۵) اور جن کا خون کرنا اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو ناحق قتل مت کرو، یہ خدا کا تمہارے لئے تاکیدی حکم ہے تاکہ تم سمجھ سکو یعنی حقیقت حال سے واقف ہو سکو۔ (سورہ انعام: ۱۵۲)

وضاحت: یہ آیت اسلامی معاشرے کے بنیادی اخلاقی اور انسانی اصولوں کو بیان کرتی ہے۔ ان میں سب سے اہم اصول انسانی جان کا احترام ہے۔ اسلام نے ہر بے گناہ انسان کی جان کو محترم قرار دیا ہے اور کسی بھی شخص کو ناحق قتل کرنا انتہائی سنگین جرم اور کبیرہ گناہ قرار دیا ہے۔ اسی طرح اولاد کو غربت یا معاشی تنگی کے خوف سے قتل کرنے کی سخت ممانعت کی گئی ہے، کیونکہ رزق کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے، اور وہی تمام مخلوقات کی کفالت فرماتا ہے۔

اس آیت میں صرف قتل کی ممانعت ہی نہیں بلکہ یتیموں کے مال کی حفاظت، لین دین میں انصاف، گفتگو میں عدل اور اللہ سے کیے گئے عہد کو پورا کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے۔

جہاں انسانی جان، مال، عزت اور حقوق سب محفوظ ہوں، عدل وانصاف کا بول بالا ہو، اور ظلم، زیادتی، خونریزی اور حق تلفی کا خاتمہ ہو۔ یہی تعلیمات امن، استحکام اور حقیقی انسانی بھائی چارے کی بنیاد فراہم کرتی ہیں۔

والدین کے ساتھ اچھے تعلقات کا حکم

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ أُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ

كُرْهًا ؕ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚؕ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ''ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے، اس کی ماں نے اس کو بڑی مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقت کے ساتھ اس کو جنا، اس کو پیٹ میں رکھنا اور دودھ چھوڑانا تیس مہینے میں پورا ہوتا ہے''۔(سورہ احقاف:۱۵)

وضاحت: اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کو انسان پر ایک عظیم ذمہ داری قرار دیا ہے۔ خصوصاً ماں کی قربانیوں کا ذکر کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ وہ حمل، ولادت اور پرورش کے مراحل میں بے شمار جسمانی اور ذہنی تکالیف برداشت کرتی ہے، اس لیے اولاد پر لازم ہے کہ وہ والدین کی عزت کرے، ان کی خدمت کرے، ان کی ضروریات کا خیال رکھے اور ان کے ساتھ ہمیشہ نرمی، محبت اور ادب سے پیش آئے۔ قرآنِ مجید میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے فوراً بعد والدین کے حقوق کا ذکر فرمایا ہے، جو ان کے بلند مقام کی واضح دلیل ہے۔

آیت کے آخری حصے میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جب انسان پختگی کی عمر کو پہنچے تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے، والدین کے احسانات کو یاد رکھے، نیک اعمال اختیار کرے اور اپنی اولاد کی صالح تربیت کے لیے بھی دعا کرے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ والدین کے حقوق صرف ان کی زندگی تک محدود نہیں بلکہ ان کے لیے دعا، ایصالِ ثواب اور ان کی نیکیوں کو جاری رکھنا بھی اولاد کی ذمہ داری ہے۔ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک ایک صالح خاندان اور مضبوط اسلامی معاشرے کی بنیاد ہے۔

زمین پر اکڑ کر چلنے اور تکبر کرنے کی ممانعت

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝ وَاقْصِدْ فِىْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۝ (سورہ لقمان: ۱۷ تا ۱۹)

ترجمه: ''اے میرے بیٹے! قائم کرو نماز اور حکم دیتے رہو نیک کاموں کا اور منع کرتے رہو بُرے کاموں سے اور صبر کرو اس تکلیف پر جو پہنچے تمہیں، یقینا یہی ہیں بڑی ہمت کے کام۔ اور مت پھیرو اپنا گال! لوگوں سے (بات کرتے ہوئے) اور نہ چلو زمین میں اکڑ کر، بیشک اللہ نہیں پسند کرتا، ہر متکبر (خود پسندی کو) شیخی بگھارنے والے کو۔ اور اعتدال اختیار کرو اپنی چال میں اور پست رکھو اپنی آواز کو، بیشک سب سے زیادہ ناپسندیدہ آواز گدھے کی آواز ہے''۔

وضاحت: یہ آیات حضرت لقمان علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو کی گئی نہایت حکیمانہ نصیحتوں پر مشتمل ہیں۔ ان میں عبادت، دعوتِ خیر، صبر اور حسنِ اخلاق کے ساتھ ساتھ معاشرتی آداب بھی سکھائے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تکبر، خود پسندی، لوگوں کو حقیر سمجھنے اور اکڑ کر چلنے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ یہ صفات انسان کو اللہ کی نظر میں ناپسندیدہ بنا دیتی ہیں اور معاشرے میں نفرت، اختلاف اور دوریاں پیدا کرتی ہیں۔ ایک مسلمان کا شیوہ عاجزی، انکساری اور خوش اخلاقی ہونا چاہیے۔

اسی طرح آیت میں چال میں میانہ روی اور گفتگو میں نرمی اختیار کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ بلند آواز میں بلا ضرورت گفتگو کرنا، سخت لہجہ اختیار کرنا اور دوسروں پر اپنی برتری جتانا اسلامی اخلاق کے خلاف ہے۔

ایک صالح مسلمان اپنی گفتگو، چال، اندازِ معاشرت اور برتاؤ سے اپنی شرافت،

تواضع اور حسنِ اخلاق کا اظہار کرتا ہے۔ یہی اوصاف ایک پرامن، مہذب اور باوقار اسلامی معاشرے کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔

غیر مسلموں کے ساتھ اچھے تعلقات کا حکم

اللہ تعالیٰ نے صلح پسند غیر مسلموں کے ساتھ اچھے تعلقات کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۝۸ (سورہ ممتحنہ:۸)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان لوگوں کے ساتھ جو تم سے دینِ حق کے سلسلہ میں نہ جنگ کریں اور نہ تمہیں گھروں سے نکالیں، اچھا سلوک کرنے اور ان کے ساتھ عدل وانصاف کرنے سے منع نہیں فرمایا ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

وضاحت: یہ آیت اسلام کے اعتدال، عدل اور عالمگیر انسانی اخلاق کی نہایت روشن مثال ہے۔ اس میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ جو غیر مسلم مسلمانوں کے خلاف جنگ نہ کریں، انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالیں اور ان پر ظلم وزیادتی نہ کریں، ان کے ساتھ حسنِ سلوک، خیر خواہی، تعاون، عدل وانصاف اور خوش اخلاقی کا برتاؤ کرنا نہ صرف جائز بلکہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

''اَنْ تَبَرُّوْهُمْ'' کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ایسے لوگوں کے ساتھ نیکی، احسان، ہمدردی، صلہ رحمی، تحائف کا تبادلہ، عیادت، تعاون اور دیگر اخلاقی وسماجی معاملات بھی جائز ہیں، جبکہ ''وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ'' سے مراد یہ ہے کہ ان کے ساتھ ہر معاملے میں انصاف کیا جائے، خواہ وہ تجارتی لین دین ہو، سماجی تعلقات ہوں یا قانونی معاملات۔

● یہ آیت اس غلط تصور کی بھی تردید کرتی ہے کہ اسلام ہر غیر مسلم کے ساتھ دشمنی کا حکم دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام دشمنی کی بنیاد مذہب کو نہیں بلکہ ظلم، جارحیت اور عہد شکنی کو قرار دیتا ہے۔

اس لیے جو غیر مسلم امن، انصاف اور باہمی احترام کے ساتھ رہنا چاہیں، اسلام ان کے ساتھ بہترین اخلاق، حسنِ سلوک اور عدل وانصاف کی تعلیم دیتا ہے۔

اسی قرآنی تعلیم کی عملی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ میں بھی ملتی ہے، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ میثاقِ مدینہ کے ذریعے پرامن بقائے باہمی کی بنیاد رکھی، غیر مسلم وفود کا احترام فرمایا، ان کے تحائف قبول کیے، ان سے معاملات کیے اور ان کے حقوق کی حفاظت کا اہتمام فرمایا۔

● اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جہاں مذہبی اختلاف کے باوجود امن، عدل، احترامِ انسانیت اور باہمی تعاون کی فضا قائم رہے، تاکہ معاشرے میں خیر، امن اور انسانی بھلائی کو فروغ حاصل ہو۔ یہی اسلام کے عالمگیر پیغامِ رحمت اور اخوت کی حقیقی روح ہے۔

دین کے معاملے میں حسنِ گفتگو کا حکم

وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ...(سورۃ العنکبوت:46)

ترجمہ: ''اور اہلِ کتاب سے بحث نہ کرو مگر ایسے طریقے سے جو نہایت عمدہ ہو، سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا ہو''۔

وضاحت: اسلام اختلافِ مذہب کے باوجود شائستہ گفتگو، باوقار مکالمے اور اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دیتا ہے۔ قرآنِ مجید حکم دیتا ہے کہ اہلِ کتاب کے ساتھ بحث وگفتگو نرم لہجے، حکمت، دلیل اور بہترین اخلاق کے ساتھ کی جائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوتِ اسلام کا اصل طریقہ حسنِ اخلاق، عمدہ گفتگو اور مضبوط دلیل ہے، نہ کہ سختی، بدزبانی، تذلیل یا اشتعال انگیزی۔

آیت میں ''بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ'' (ایسے طریقے سے جو سب سے بہتر ہو) کے الفاظ اس بات کی طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ دعوت و مکالمہ میں نرمی، تحمل، وقار، احترام اور خیر خواہی کو ملحوظ رکھا جائے۔

اختلافِ رائے کو دشمنی اور نفرت کا سبب نہ بنایا جائے بلکہ حکمت اور خوش اسلوبی سے حق بات پہنچائی جائے۔ البتہ آیت کے آخر میں ''إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ'' (سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ظلم کیا ہو) فرما کر یہ واضح کر دیا گیا کہ جو لوگ ظلم، زیادتی، حق دشمنی یا فساد پر اتر آئیں، ان کے ساتھ ان کے رویے کے مطابق مناسب انداز اختیار کیا جائے، تاہم اس صورت میں بھی عدل و انصاف اور اخلاقی حدود سے تجاوز نہ کیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ اس آیت کی بہترین عملی تفسیر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجران کے عیسائی وفد، مدینہ کے یہودی علماء اور دیگر غیر مسلم وفود کے ساتھ نہایت احترام، تحمل اور حکمت کے ساتھ گفتگو فرمائی، ان کے شبہات کا علمی جواب دیا اور کبھی بھی بدزبانی یا تضحیک کا راستہ اختیار نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام دلیل، کردار اور اخلاق کے ذریعے دلوں کو جیتنے کا دین ہے، اور یہی اس کے دعوتی منہج کی بنیاد ہے۔

دعوت میں حکمت اور حسنِ اخلاق کا حکم

ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (سورۃ النحل:125)

ترجمہ: ''اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ دعوت دو، اور ان سے ایسے طریقے سے گفتگو کرو جو بہترین ہو''۔

وضاحت: یہ آیت دعوتِ اسلام کے بنیادی اصول اور اسلوب کو نہایت جامع انداز میں بیان کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے پیروکاروں کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف حکمت، عمدہ نصیحت اور بہترین طرزِ گفتگو کے ساتھ بلائیں۔

''حکمت'' سے مراد یہ ہے کہ دعوت ایسے انداز، وقت اور طریقے سے دی جائے جو مخاطب کی ذہنی کیفیت، علمی سطح اور حالات کے مطابق ہو۔

جبکہ ''موعظۃ حسنۃ'' سے مراد خیر خواہی، شفقت، محبت اور دل نشین نصیحت ہے، جو دلوں پر اثر ڈالے، اسی طرح ''وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ'' کا مطلب یہ ہے کہ اگر علمی گفتگو یا مناظرہ کی ضرورت پیش آئے تو بھی تہذیب، احترام، مضبوط دلیل اور اعلیٰ اخلاق کو اختیار کیا جائے۔

اسلام کی مقبولیت

یہ آیت اس حقیقت کو بھی واضح کرتی ہے کہ اسلام تلوار، جبر، سختی یا بدزبانی کے ذریعے نہیں بلکہ علم، حکمت، حسنِ اخلاق اور بہترین کردار کے ذریعے پھیلا۔ رسول اللہ ﷺ کی پوری سیرت اس آیت کی عملی تفسیر ہے۔ آپ ﷺ نے مکہ و مدینہ میں مشرکین، یہود، نصاریٰ اور دیگر اقوام کو نہایت صبر، شفقت، تحمل اور حکمت کے ساتھ اسلام کی دعوت دی۔ سخت مخالفت اور ایذا رسانی کے باوجود آپ ﷺ نے گالی، تحقیر یا ناشائستہ زبان استعمال نہیں فرمائی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ دعوت، گفتگو اور تعلقات میں حسنِ اخلاق، نرم خوئی، وقار اور خیر خواہی اسلامی تعلیمات کا بنیادی تقاضا ہے، کیونکہ یہی طرزِ عمل دلوں کو قریب کرتا اور حق کو قبول کرنے کی راہ ہموار کرتا ہے۔

دوسروں کے معبودوں کو برا بھلا کہنے کی ممانعت

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ

ترجمہ: ''اور جنہیں وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں انہیں برا بھلا نہ کہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ جہالت میں حد سے بڑھ کر اللہ کو برا بھلا کہنے لگیں''۔ (سورۃ الانعام:۱۰۸)

وضاحت: یہ آیت اسلام کے اعلیٰ اخلاق، دینی حکمت اور معاشرتی امن کے اصول کو واضح کرتی ہے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ غیر مسلموں کے معبودوں یا ان کی

قابلِ احترام مذہبی شخصیات کو گالی نہ دیں اور نہ ہی ان کی توہین کریں، کیونکہ ایسا کرنے سے ردِعمل میں وہ بھی جہالت اور اشتعال کے تحت اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کر سکتے ہیں۔ اس طرح ایک غلط طرزِ عمل سے نفرت، فساد، مذہبی کشیدگی اور باہمی دشمنی پیدا ہو سکتی ہے۔

احترام انسانیت کی تعلیم

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اختلافِ عقیدہ کے باوجود تہذیب، شائستگی اور احترامِ انسانیت کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام باطل عقائد کی علمی تردید اور ان کی اصلاح کی دعوت ضرور دیتا ہے، لیکن اس کے لیے گالی، تمسخر، تضحیک اور اشتعال انگیزی کا راستہ اختیار کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ بلکہ دلائل، حکمت، حسنِ اخلاق اور نرم گفتگو کے ذریعے حق واضح کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مجید نے ایک طرف شرک کو سب سے بڑا گناہ قرار دیا، لیکن دوسری طرف مشرکین کے معبودوں کو برا بھلا کہنے سے بھی منع فرمایا تاکہ دعوتِ دین کا ماحول خراب نہ ہو اور معاشرے میں امن و امان برقرار رہے۔

رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ بھی اسی قرآنی تعلیم کی عملی تفسیر ہے۔ آپ ﷺ نے مشرکینِ مکہ کے باطل عقائد کی تردید تو فرمائی، مگر کبھی ان کے معبودوں کو گالی نہیں دی اور نہ ہی ان کے مذہبی جذبات کو اشتعال دلانے والا انداز اختیار فرمایا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اختلافِ مذہب کے باوجود باوقار مکالمہ، اخلاقی شائستگی، مذہبی حساسیت کا احترام اور معاشرتی امن کو بڑی اہمیت دیتا ہے۔

یہی طرزِ عمل مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان پرامن بقائے باہمی، باہمی احترام اور مثبت تعلقات کے فروغ کا بہترین ذریعہ ہے۔

عدل و انصاف کا حکم

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا

يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ کے لیے انصاف پر مضبوطی سے قائم رہو، اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو، یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے''۔ (سورۃ المائدۃ:8)

اسلام کا نظام عدل

یہ آیت اسلام کے نظامِ عدل کی عظمت اور غیر جانبداری کو نمایاں کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو حکم دیا ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ کی رضا کے لیے انصاف پر قائم رہیں اور کسی قوم، گروہ یا فرد کے ساتھ دشمنی، اختلاف یا نفرت انہیں انصاف سے نہ ہٹائے۔ اسلام کا عدل مذہب، نسل، قوم، زبان یا خاندانی تعلقات کی بنیاد پر تبدیل نہیں ہوتا بلکہ حق اور انصاف ہی اس کا معیار ہے۔ اسی لیے قرآن نے فرمایا: ''اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ'' یعنی ''انصاف کرو، یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے''۔

ظلم سے پرہیز

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر غیر مسلموں کے ساتھ اختلاف یا حتیٰ کہ جنگ کی کیفیت بھی ہو، تب بھی ان پر ظلم کرنا، ان کے حقوق غصب کرنا، جھوٹی گواہی دینا، خیانت کرنا یا ان کے ساتھ ناانصافی کرنا جائز نہیں۔

اسلامی شریعت ہر انسان کے جان، مال، عزت اور بنیادی حقوق کی حفاظت کی تعلیم دیتی ہے، خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین نے غیر مسلم رعایا، معاہدین اور ذمیوں کے حقوق کی ہمیشہ حفاظت فرمائی اور عدل و انصاف کی ایسی مثالیں قائم کیں جن کی تاریخ میں نظیر کم ملتی ہے۔

یہ آیت اس حقیقت کو بھی واضح کرتی ہے کہ اسلام میں انصاف جذبات، تعصب اور ذاتی مفادات سے بالاتر ایک دینی فریضہ ہے۔

ایک مسلمان کی پہچان یہ ہے کہ وہ دوست اور دشمن، مسلمان اور غیر مسلم، سب کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرے۔ یہی طرزِ عمل اسلامی معاشرے میں امن، اعتماد، بھائی چارے اور انسانی حقوق کے تحفظ کی بنیاد فراہم کرتا ہے اور اسلام کے عالمگیر پیغامِ عدل و رحمت کو نمایاں کرتا ہے۔

تمام انسانوں کی عزت وتکریم

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ (سورۃ الاسراء:70)

ترجمہ: ''اور یقیناً ہم نے بنی آدم کو عزت و کرامت عطا کی''۔

یہ آیت اسلام کے تصورِ انسانیت کی بنیادی اساس کو بیان کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے بنی آدم کو عزت و کرامت عطا فرمائی ہے۔ یہاں ''بنی آدم'' کا لفظ عام ہے، جس میں تمام انسان شامل ہیں، خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، کسی بھی نسل، رنگ، زبان، قوم یا ملک سے تعلق رکھتے ہوں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ہر انسان کی بنیادی عزت، جان، مال اور وقار کو قابلِ احترام قرار دیتا ہے اور کسی شخص کی تحقیر یا اس کے بنیادی حقوق کی پامالی کو پسند نہیں کرتا، اس آیت سے یہ اصول بھی واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں انسان کی عزت صرف اس کے مذہب، نسل یا معاشرتی حیثیت کی بنیاد پر نہیں بلکہ اس کے انسان ہونے کی وجہ سے بھی مسلم ہے۔

اسی بنا پر اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ عدل و انصاف، حسنِ سلوک، عہد و پیمان کی پابندی، جان و مال کے تحفظ اور انسانی حقوق کی ادائیگی کا حکم دیا ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اخروی فضیلت اور قرب کا معیار ایمان اور تقویٰ ہے، جیسا کہ قرآنِ مجید میں فرمایا: إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (الحجرات: 13) یعنی ''بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ بھی اس قرآنی اصول کی بہترین عملی تفسیر ہے۔

آپ ﷺ نے غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت فرمائی، ان کے ساتھ کیے گئے معاہدوں کی پاسداری کی، بیمار غیر مسلموں کی عیادت فرمائی، ان کے ساتھ حسنِ اخلاق سے پیش آئے اور ان کی انسانی عزت و حرمت کا احترام کیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام انسانیت کی تکریم، باہمی احترام، عدل و انصاف اور حسنِ معاشرت کا دین ہے، جو تمام انسانوں کے لیے امن، رحمت اور خیر خواہی کا پیغام دیتا ہے۔

عہد و پیمان کی پابندی

وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا (سورۃ الاسراء:34)

ترجمہ: ''اور عہد کو پورا کرو، بے شک عہد کے بارے میں باز پرس ہوگی''۔

وضاحت: یہ آیت اسلام کے اس بنیادی اصول کو بیان کرتی ہے کہ وعدے اور معاہدے کی پابندی ہر حال میں ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے تمام عہد و پیمان پورے کریں، کیونکہ قیامت کے دن ہر وعدے اور معاہدے کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

اس حکم میں مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا گیا، بلکہ ہر جائز معاہدہ، خواہ وہ انفرادی ہو، سماجی ہو یا بین الاقوامی، اس کی پابندی اسلامی تعلیمات کا لازمی تقاضا ہے۔

امن کے معاہدے

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ کیے گئے امن کے معاہدے، تجارتی معاہدے، امان، اقرار یا دیگر وعدوں کی پاسداری بھی شرعی ذمہ داری ہے۔ کسی غیر مسلم کے ساتھ خیانت کرنا، دھوکہ دینا، عہد شکنی کرنا یا بلا وجہ معاہدہ توڑ دینا اسلامی اخلاق کے منافی ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مشرکین اور اہلِ کتاب کے ساتھ کیے گئے معاہدوں کی ہمیشہ پاسداری فرمائی، حتیٰ کہ بعض مواقع پر وقتی نقصان برداشت کیا، لیکن عہد شکنی کو اختیار نہیں فرمایا۔

اسلامی تاریخ میں میثاقِ مدینہ اور صلح حدیبیہ اس قرآنی حکم کی روشن مثالیں ہیں، جہاں رسول اللہ ﷺ نے غیر مسلم قبائل اور مشرکین کے ساتھ کیے گئے معاہدوں کی مکمل پابندی فرمائی اور صحابۂ کرامؓ کو بھی اس کا پابند بنایا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام بین المذاہب اور بین الاقوامی تعلقات میں اعتماد، دیانت، وفاداری اور قانون کی پاسداری کو بنیادی اہمیت دیتا ہے۔ یہی اصول معاشرتی امن، باہمی اعتماد اور مختلف مذاہب و اقوام کے درمیان پرامن بقائے باہمی کی مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے۔

مذہبی آزادی کا اصول

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ”دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں“۔ (سورۃ البقرۃ:256)

یہ آیت اسلام کے ایک نہایت اہم اصول، یعنی مذہبی آزادی کو بیان کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ دین کے معاملے میں کسی قسم کا جبر یا زبردستی نہیں ہے، کیونکہ ایمان ایک قلبی یقین اور شعوری قبولیت کا نام ہے، جو دباؤ، خوف یا طاقت کے ذریعے پیدا نہیں ہوسکتا۔ اس لیے اسلام کسی غیر مسلم کو زبردستی مسلمان بنانے کی اجازت نہیں دیتا، بلکہ دعوتِ اسلام کی بنیاد حکمت، دلیل، حسنِ اخلاق اور آزادانہ انتخاب پر رکھتا ہے۔

دعوت میں جبر نہیں

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام انسان کو سوچنے، غور وفکر کرنے اور حق کو اپنی رضا و رغبت سے قبول کرنے کا موقع دیتا ہے۔

قرآنِ مجید نے متعدد مقامات پر دلائل پیش کر کے انسان کو دعوتِ حق دی ہے، لیکن فیصلہ اس کے اختیار پر چھوڑا ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنی پوری دعوتی زندگی میں کبھی کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا، بلکہ اپنے اعلیٰ کردار، عدل، امانت اور حسنِ اخلاق کے ذریعے لوگوں کے دل جیتے۔ مدینہ منورہ میں یہودیوں اور دیگر غیر مسلم

قبائل کو اپنے مذہب پر قائم رہنے کی آزادی حاصل تھی، جب تک وہ ریاست کے قوانین اور معاہدات کی پابندی کرتے رہے۔

البتہ اس آیت کا مطلب یہ نہیں کہ اسلام تمام مذاہب کو حق قرار دیتا ہے، بلکہ اسلام اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا برحق دین قرار دیتے ہوئے لوگوں کو اس کی طرف دعوت دیتا ہے، تاہم اس دعوت میں جبر، اکراہ اور زبردستی کی اجازت نہیں دیتا۔

یہی اسلامی تعلیمات کا امتیاز ہے کہ وہ ایک طرف حق کی دعوت دیتی ہیں اور دوسری طرف انسان کے اختیار، مذہبی آزادی اور انسانی وقار کا بھی احترام کرتی ہیں۔

یہی اصول مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان پرامن بقائے باہمی، باہمی احترام اور مثبت سماجی تعلقات کی مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے۔

برائی کا جواب بھلائی سے

ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ

ترجمہ: ”برائی کو اس بھلائی سے دفع کرو جو بہترین ہو، پھر وہ شخص جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی تھی، گویا گہرا دوست بن جائے گا“۔ (سورۃ فصلت:34)

یہ آیت اسلام کے اعلیٰ اخلاق، حلم، عفو و درگزر اور حسنِ معاشرت کے ایک عظیم اصول کو بیان کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو یہ تعلیم دی ہے کہ اگر کسی کی طرف سے برائی، سختی یا تکلیف پہنچے تو اس کا جواب انتقام، بدزبانی یا بدسلوکی سے نہ دیا جائے، بلکہ ایسے بہترین اخلاق، صبر، نرمی اور احسان کے ساتھ دیا جائے جس سے دشمنی کے جذبات ختم ہو جائیں۔

اسی لیے فرمایا کہ جب برائی کا جواب بہترین طریقے سے دیا جائے تو بعید نہیں کہ دشمن بھی مخلص دوست بن جائے۔

خیر خواہی کی تعلیم

یہ آیت غیر مسلموں سمیت تمام انسانوں کے ساتھ حسنِ سلوک، برداشت اور خیر خواہی کی تعلیم دیتی ہے۔ اختلافِ مذہب یا نظریے کی وجہ سے بدتمیزی، نفرت یا انتقامی رویہ اختیار کرنا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔

اگر کوئی شخص ظلم وزیادتی پر اصرار نہ کرے بلکہ صرف اختلاف یا تلخی کا معاملہ ہو، تو اس کے ساتھ اچھے اخلاق، نرم گفتگو، معافی اور احسان کا رویہ اختیار کرنا دلوں کو قریب لانے اور تعلقات کو بہتر بنانے کا مؤثر ذریعہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ اس آیت کی بہترین عملی تفسیر ہے۔ اہلِ مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ کو برسوں تک ایذا پہنچائی، مگر فتحِ مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتقام لینے کے بجائے عام معافی کا اعلان فرمایا۔

اسی حسنِ اخلاق اور عفو و درگزر کا نتیجہ تھا کہ بہت سے لوگ، جو پہلے اسلام کے سخت مخالف تھے، بعد میں اسلام کے مخلص پیروکار بن گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام دشمنی کو محبت میں، نفرت کو خیر خواہی میں اور اختلاف کو مثبت تعلقات میں تبدیل کرنے کے لیے اعلیٰ اخلاق، صبر اور احسان کو بنیادی ذریعہ قرار دیتا ہے۔ یہی اسلامی معاشرت کی روح اور انسانی بھائی چارے کی مضبوط بنیاد ہے۔

امانت کی ادائیگی

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا (سورۃ النساء:58)

ترجمہ: ’’بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے حق داروں کو ادا کرو‘‘۔

وضاحت: یہ آیت اسلامی معاشرت اور اجتماعی زندگی کے ایک نہایت اہم اصول، یعنی امانت و دیانت کو بیان کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام اہلِ ایمان کو حکم دیتا ہے کہ ہر امانت اس کے اصل حق دار تک پوری دیانت داری کے ساتھ پہنچائی جائے۔ ’’الْأَمَانَاتِ‘‘ کا لفظ عام

ہے، اس میں مالی امانتیں، سرکاری ذمہ داریاں، عہدے، راز، حقوق، وعدے اور ہر وہ چیز شامل ہے جو کسی شخص کے سپرد کی جائے۔ اس حکم میں مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا گیا، بلکہ ہر حق دار کا حق ادا کرنا لازم قرار دیا گیا ہے۔

امانت میں خیانت کی اجازت نہیں

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کسی غیر مسلم کی امانت میں بھی خیانت کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر کسی غیر مسلم نے اپنا مال، سامان یا کوئی ذمہ داری کسی مسلمان کے سپرد کی ہو تو اس کی حفاظت کرنا اور اسے پوری دیانت کے ساتھ واپس کرنا شرعی فریضہ ہے۔ اسی طرح تجارتی معاملات، ملازمت، عدالتی فیصلوں اور سماجی تعلقات میں بھی امانت و دیانت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

اسلام میں خیانت، دھوکہ، بد دیانتی اور حق تلفی کو سخت گناہ قرار دیا گیا ہے، خواہ معاملہ مسلمان کے ساتھ ہو یا غیر مسلم کے ساتھ۔

رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ اس قرآنی حکم کی بہترین عملی تفسیر ہے۔ نبوت سے پہلے بھی اہلِ مکہ، اگرچہ ان میں اکثریت مشرک تھی، اپنی امانتیں آپ ﷺ کے پاس محفوظ رکھتے تھے اور آپ ﷺ اپنی بے مثال دیانت داری کی وجہ سے ''الصادق'' اور ''الأمین'' کے لقب سے مشہور تھے۔

ہجرتِ مدینہ کے وقت بھی آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو اس لیے اپنے بستر پر سُلایا کہ وہ مشرکینِ مکہ کی امانتیں ان کے مالکان تک واپس کر دیں۔ یہ واقعہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ اسلام غیر مسلموں کے حقوق، امانتوں اور اموال کی حفاظت کو بھی اتنی ہی اہمیت دیتا ہے جتنی مسلمانوں کے حقوق کو۔

یہی امانت و دیانت، باہمی اعتماد، عدل اور حسنِ معاشرت کی مضبوط بنیاد ہے، جس کے ذریعے اسلام ایک پرامن، بااعتماد اور بااخلاق معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے۔

وعدہ پورا کرنے کا حکم

وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْؤُولًا (سورۃ الاسراء:34)

ترجمہ: ''اور عہد کو پورا کرو، بے شک عہد کے بارے میں باز پرس ہوگی''۔

یہ آیت اسلام کے اس عظیم اخلاقی اور قانونی اصول کو بیان کرتی ہے کہ ہر جائز عہد، وعدہ اور معاہدہ پورا کرنا مسلمان کی دینی ذمہ داری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ ہر عہد کے بارے میں قیامت کے دن باز پرس ہوگی۔

اس لیے کسی معاہدے کو توڑنا، وعدہ خلافی کرنا یا خیانت کرنا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ ''العهد'' کا لفظ عام ہے، اس میں اللہ تعالیٰ سے کیے گئے عہد، لوگوں کے باہمی وعدے، تجارتی معاہدے، سماجی وسیاسی معاہدات اور بین الاقوامی معاہدے سب شامل ہیں۔

عہد شکنی کی ممانعت

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ کیے گئے معاہدے، امن کے معاہدے، تجارتی معاملات، امان، ویزا، شہریت، ملازمت یا کسی بھی نوعیت کے جائز وعدے کی پابندی بھی شرعاً لازم ہے، اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ صرف مذہب کے اختلاف کی وجہ سے کسی غیر مسلم کے ساتھ عہد شکنی یا وعدہ خلافی کی جائے۔ بلکہ قرآنِ مجید مسلمانوں کو ہر حال میں دیانت، وفاداری اور معاہدات کی پاسداری کا پابند بناتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ اس حکم کی بہترین عملی تفسیر ہے۔ میثاقِ مدینہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودی قبائل کے ساتھ کیے گئے معاہدے کی مکمل پابندی فرمائی، اور صلحِ حدیبیہ کے موقع پر بھی اگرچہ بعض شرائط بظاہر مسلمانوں کے لیے سخت محسوس ہوتی تھیں، پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی پوری دیانت داری سے پابندی فرمائی۔ اسی طرح جب تک کوئی فریق خود معاہدہ نہ توڑ دے، اسلام مسلمانوں کو بھی عہد شکنی سے منع کرتا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام بین المذاہب اور بین الاقوامی تعلقات میں

اعتماد، دیانت، وفاداری اور قانون کی پاسداری کو بنیادی حیثیت دیتا ہے۔ یہی اصول مختلف مذاہب اور اقوام کے درمیان امن، استحکام، باہمی اعتماد اور پر امن بقائے باہمی کی مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے۔

کسی کی توہین نہ کرنا

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ (سورۃ الحجرات:11)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! کوئی قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے''۔

وضاحت: یہ آیت اسلامی معاشرت کے بنیادی اخلاقی اصولوں میں سے ایک اہم اصول بیان کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو حکم دیا ہے کہ وہ کسی قوم، قبیلے، نسل یا گروہ کا مذاق نہ اڑائیں، نہ ان کی تحقیر کریں اور نہ انہیں حقیر سمجھیں، کیونکہ ممکن ہے کہ جنہیں تم کمتر سمجھ رہے ہو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم سے بہتر ہوں۔ اس حکم کا مقصد معاشرے میں عزت، احترام، اخوت اور باہمی اعتماد کی فضا قائم کرنا ہے اور تکبر، نفرت اور تعصب کا خاتمہ کرنا ہے۔

تحقیر و تمسخر کی ممانعت

اگرچہ یہ حکم تمام مسلمانوں کے باہمی تعلقات کے بارے میں نازل ہوا، لیکن اس کا اخلاقی اصول عام ہے، جو تمام انسانوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور احترام کا تقاضا کرتا ہے۔ اس بنا پر کسی غیر مسلم، کسی دوسری قوم یا کسی دوسرے مذہب کے ماننے والوں کی تحقیر، تمسخر، تضحیک یا ان کی عزتِ نفس کو مجروح کرنا اسلامی اخلاق کے منافی ہے۔

اسلام اختلافِ عقیدہ کی اجازت دیتا ہے، مگر اختلاف کو تمسخر، گالی گلوچ اور نفرت کا ذریعہ بنانے کی اجازت نہیں دیتا۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ بھی اسی تعلیم کی عملی تفسیر ہے، آپ ﷺ نے ہمیشہ لوگوں کی عزتِ نفس کا خیال رکھا، کسی کی قوم، نسل، زبان یا سماجی حیثیت کی بنیاد پر اس کا مذاق نہیں اڑایا اور اپنے صحابہ کرامؓ کو بھی اس سے منع فرمایا۔

اسی لیے اسلام میں برتری کا معیار قوم، رنگ، نسل یا مذہب نہیں بلکہ تقویٰ، کردار

اور اخلاق ہے۔ یہی قرآنی تعلیم مختلف اقوام اور مذاہب کے درمیان احترام، برداشت، حسنِ معاشرت اور پرامن بقائے باہمی کو فروغ دیتی ہے اور انسانی معاشرے کو نفرت، تعصب اور تذلیل سے محفوظ رکھتی ہے۔

تمام انسان ایک خاندان ہیں

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ...إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ

ترجمہ: ''اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں اس لیے تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے''۔(سورۃ الحجرات:13)

وضاحت: یہ آیت اسلام کے عالمگیر تصورِ انسانیت، مساوات اور باہمی احترام کی بنیادی اساس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ سب کی اصل ایک ہی ہے، یعنی سب ایک مرد (حضرت آدم علیہ السلام) اور ایک عورت (حضرت حوا علیہا السلام) کی اولاد ہیں۔

اس لیے کسی شخص یا قوم کو اپنی نسل، رنگ، زبان، قوم، قبیلے یا وطن کی بنیاد پر دوسرے پر فخر کرنے یا اسے حقیر سمجھنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ قوموں اور قبیلوں کی تقسیم برتری کے لیے نہیں بلکہ ''لِتَعَارَفُوا'' یعنی ایک دوسرے کی شناخت، باہمی تعاون اور سماجی نظم کے لیے کی گئی ہے۔

نسلی تعصب کی ممانعت

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نسلی تعصب، لسانی عصبیت، قومی غرور اور رنگ و نسل کی بنیاد پر امتیاز کی سختی سے نفی کرتا ہے۔ مسلمان ہو یا غیر مسلم، ہر انسان اپنی بنیادی انسانی حیثیت کے اعتبار سے عزت و احترام کا مستحق ہے۔

البتہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حقیقی فضیلت کا معیار نہ مال و دولت ہے، نہ خاندان، نہ قومیت اور نہ ہی رنگ و نسل، بلکہ تقویٰ، ایمان اور نیک کردار ہے۔ اس لیے کسی غیر مسلم کے ساتھ ظلم، تحقیر یا ناانصافی کا جواز اس کی قوم یا نسل نہیں بن سکتی، بلکہ اسلام ہر انسان کے ساتھ عدل، حسنِ سلوک اور احترام کا حکم دیتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس قرآنی اصول کو اپنے خطبۂ حجۃ الوداع میں نہایت وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا کہ کسی عربی کو عجمی پر، کسی عجمی کو عربی پر، کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں، سوائے تقویٰ کے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام انسانی مساوات، باہمی احترام، عدل اور اخوت کا علمبردار ہے۔

یہی تعلیم مختلف اقوام، نسلوں اور مذاہب کے درمیان امن، رواداری، باہمی تعاون اور پرامن بقائے باہمی کی مضبوط بنیاد فراہم کرتی ہے اور ہر قسم کے نسلی، لسانی اور قومی تعصب کا خاتمہ کرتی ہے۔

معاشرتی بھائی چارہ

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اسلام ہر حال میں معاشرتی بھائی چارے، عدل و انصاف، باہمی احترام اور پرامن بقائے باہمی کا علمبردار ہے۔ قرآنِ مجید اور سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات اس بات پر زور دیتی ہیں کہ تمام انسانوں کے ساتھ، خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، ان کے حقوق کی ادائیگی، حسنِ سلوک، انصاف، دیانت، عہد کی پابندی اور عزت و احترام کا برتاؤ کیا جائے۔

اسلام ظلم، تعصب، نفرت، حق تلفی، نسلی و لسانی برتری اور مذہبی بنیاد پر ناانصافی کی سختی سے مذمت کرتا ہے اور انسانوں کے درمیان محبت، رواداری، خیر خواہی اور تعاون کو فروغ دیتا ہے۔

اسلام ہر انسان کو اس کی انسانی حیثیت کے اعتبار سے بنیادی حقوق عطا کرتا ہے

اور قبائلی، نسلی، لسانی، رنگ، قومیت، خاندانی یا سماجی امتیازات کو فضیلت کا معیار قرار نہیں دیتا، بلکہ حقیقی فضیلت کا معیار ایمان اور تقویٰ کو قرار دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تعلیمات ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کرتی ہیں جہاں امن، انصاف، مساوات، احترامِ انسانیت اور باہمی اعتماد قائم ہوتا ہے۔

لہٰذا بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر دنیا میں حقیقی معاشرتی بھائی چارہ، عدل و انصاف، انسانی احترام اور پائیدار امن قائم کرنا مقصود ہو تو اسلامی تعلیمات اس کے لیے ایک جامع، متوازن اور قابلِ عمل رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔

❁❁❁

حصہ دوم

قرآن کے مطابق مذہبی آزادی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قرآن کے مطابق مذہبی آزادی

اسلام ایک ایسا دین ہے جو انسانیت، رواداری، شائستگی اور احترامِ انسانیت کی تعلیمات سے لبریز ہے۔ اس کی بنیاد جبر، اکراہ اور زبردستی پر نہیں بلکہ دلیل، حکمت، خیر خواہی اور حسنِ اخلاق پر قائم ہے، امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ کی پوری حیاتِ طیبہ رحم، شفقت، ہمدردی، عفو و درگزر اور مذہبی رواداری کے بے شمار واقعات سے مزین ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ کے جاں نثار صحابۂ کرامؓ اور بعد کے صالح مسلمانوں کی تاریخ بھی اس حقیقت کی روشن گواہ ہے کہ اسلام نے ہمیشہ دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے مذہبی حقوق کا احترام کیا اور کسی شخص کو زبردستی اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا۔

رسول اللہ ﷺ کے فرامین، عہد نامے اور عملی فیصلے ایسے ارشادات اور احکامات سے بھرے پڑے ہیں جو مذہبی آزادی، عدل و انصاف اور باہمی احترام کی اعلیٰ ترین مثالیں پیش کرتے ہیں۔

علّامہ سیّد سلیمان ندویؒ اپنے مشہور مقالہ ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کیوں کر ہوئی میں لکھتے ہیں: تمام دنیا کے مذاہب میں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے یہ فلسفہ پیش کیا کہ مذہب یقین کا نام ہے، اور یقین تلوار کی دھار اور نیزہ کی نوک سے پیدا نہیں کیا جا سکتا۔

(سید سلیمان ندوی، مقالاتِ سلیمان، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، مضمون: ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کیوں کر ہوئی)

اسی بنیادی اصول کو قرآنِ کریم نے نہایت واضح انداز میں بیان فرمایا ہے کہ دین

کا معاملہ دل کے یقین اور قلبی اطمینان سے متعلق ہے، اس لیے کسی انسان کو ایمان قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ نبی اکرم ﷺ کی ذمہ داری صرف اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا، حق کو واضح کرنا اور حکمت و موعظتِ حسنہ کے ذریعے لوگوں کو دعوت دینا ہے، نہ کہ انہیں جبر و اکراہ کے ذریعے مسلمان بنانا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ ''آپ ان پر داروغہ نہیں ہیں''۔(سورۃ غاشیہ، آیت نمبر۔ ۲۲)

وضاحت: اس آیتِ کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ پیغمبر کا منصب لوگوں پر جبر کرنا یا ان کے ایمان و عقیدے پر زبردستی مسلط ہونا نہیں، بلکہ ان تک اللہ کا پیغام پوری امانت، اخلاص اور خیر خواہی کے ساتھ پہنچا دینا ہے۔

ہدایت دینا، دلوں کو ایمان سے منور کرنا اور حق کو قبول کرنے کی توفیق عطا کرنا صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اسی لیے اسلام دعوت، حکمت، حسنِ اخلاق اور بہترین کردار کے ذریعے لوگوں کے دل جیتنے کی تعلیم دیتا ہے، نہ کہ طاقت، خوف یا جبر کے ذریعے ان کے عقائد تبدیل کرنے کی۔

بات پہنچانے کی ذمّہ داری

اسلام کی دعوت کا بنیادی اصول یہ ہے کہ دین کو دلیل، حکمت اور حسنِ اخلاق کے ساتھ پیش کیا جائے۔ قرآنِ کریم نے متعدد مقامات پر واضح کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داری صرف اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچانا ہے۔

جبکہ کسی شخص کے دل میں ایمان پیدا کرنا یا اسے کسی عقیدے کو اختیار کرنے پر مجبور کرنا آپ ﷺ کے منصب میں شامل نہیں۔ ایمان ایک قلبی کیفیت اور باطنی یقین کا نام ہے، جو صرف آزادانہ غور و فکر اور حق کی پہچان سے پیدا ہوتا ہے۔ اسی لیے قرآن دعوت اور تبلیغ کو تو فرض قرار دیتا ہے، مگر جبر و اکراہ کو ہرگز جائز نہیں ٹھہراتا، درج ذیل آیت میں بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ کی ذمہ داری صرف بات پہنچانے کی ہے:

فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ حَفِيۡظًا ؕ اِنۡ عَلَيۡكَ اِلَّا الۡبَلٰغُ ؕ وَاِنَّاۤ اِذَاۤ اَذَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنَّا رَحۡمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ فَاِنَّ الۡاِنۡسَانَ كَفُوۡرٌ ۔(سورۃ شوریٰ، آیت نمبر۔۴۸)

ترجمہ: ''اب بھی اگر آپ دھیان میں نہ لائیں تو ہم نے تو آپ کو ان پر کوئی نگہبان بنا کر نہیں بھیجا، آپ پر تو صرف پہنچا دینے کی ذمّہ داری ہے، اور جب ہم انسان کو اپنی طرف سے کسی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس پر اترانے لگتا ہے، اور اگر اس کے کرتوتوں کی وجہ سے کوئی مصیبت اس پر آتی ہے تو وہ ناشکری کرنے لگتا ہے''۔

اچھی نصیحت کے ذریعہ

اسلام کی دعوت کا دوسرا اہم اصول یہ ہے کہ مخاطب کے ساتھ عزت، احترام اور خیر خواہی کا رویہ اختیار کیا جائے۔ اختلافِ عقیدہ کے باوجود گفتگو شائستگی، حکمت اور بہترین انداز میں ہو، تاکہ سچائی دلائل کے ساتھ واضح ہو اور کسی کے مذہبی جذبات مجروح نہ ہوں۔ یہی وہ اصول ہے جس نے مختلف قوموں اور مذاہب کے لوگوں کو اسلام کی تعلیمات پر غور کرنے کا موقع فراہم کیا۔ درج ذیل آیت میں حکمت اور اچھی گفتگو کے ذریعہ بات پہنچانے کا حکم دیا گیا ہے:

اُدۡعُ اِلٰى سَبِيۡلِ رَبِّكَ بِالۡحِكۡمَةِ وَالۡمَوۡعِظَةِ الۡحَسَنَةِ وَجَادِلۡهُمۡ بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ ﴿۱۲۵﴾ (سورۃ نحل، آیت نمبر۔۱۲۵)

ترجمہ: ''لوگوں کو اپنے رب کی راہ کی طرف بلاتے رہئے حکمت سے اور اچّھی نصیحتوں سے، اور انکے ساتھ نصیحت کیجئے تو اچّھے طریقہ سے، اور آپکا رب اسے اچّھی طرح جانتا ہے جو اس کے راستے سے بھٹک گیا، اور وہ انہیں بھی اچّھی طرح جانتا ہے جو راہ پر ہیں''۔

مذہب میں زبردستی نہیں

اسلام نے مذہبی آزادی کو ایک بنیادی انسانی حق قرار دیا ہے۔قرآنِ کریم کا اصول یہ ہے کہ ہر انسان کو اپنے عقیدے کے بارے میں سوچنے، سمجھنے اور فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہے۔ اسی لیے اسلام نے عقیدے کے معاملے میں کسی قسم کے جبر، دباؤ یا طاقت کے استعمال کو مسترد کیا ہے۔

اگر کوئی شخص اسلام کو اختیار کرے تو وہ اپنے دل کے اطمینان اور یقین کی بنیاد پر کرے، نہ کہ خوف، طاقت یا مجبوری کے تحت۔ درج ذیل آیت میں جبراً مذہب تبدیل کروانے کی ممانعت کی گئی ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ (سورۃ البقرہ:۲۵۶)

ترجمہ: ’دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں ہدایت تو گمراہی سے صاف صاف کھل چکی ہے‘‘۔

وضاحت: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ زبردستی کسی کو مسلمان بنانا اسلام کے خلاف ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی ہے۔

دو عیسائی بیٹوں کا واقعہ

حضرت **محمد** ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، جو قرآنِ کریم کے عظیم مفسر تھے، ان سے ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ انصار کے ایک شخص کے دو بیٹے عیسائی ہو گئے تھے۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میرے دونوں بیٹے عیسائیت چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتے، کیا میں انہیں اسلام قبول کرنے پر مجبور کر سکتا ہوں؟

اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ’’دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں‘‘، جس سے یہ اصول ہمیشہ کے لیے واضح کر دیا گیا کہ ایمان جبر سے نہیں بلکہ یقین سے حاصل ہوتا ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ کے مطابق

علّامہ ابن کثیرؒ، جو قرآنِ کریم کے جلیل القدر مفسر ہیں، اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کسی شخص کو اسلام میں داخل ہونے پر مجبور نہ کیا جائے، کیونکہ اسلام کی حقانیت اور اس کے دلائل اس قدر واضح ہیں کہ صاحبِ انصاف انسان ان پر غور کر کے خود حق کو قبول کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ جس کے دل کو ہدایت کے لیے کھول دے وہ اپنی آزادانہ بصیرت سے اسلام قبول کرتا ہے، جبکہ جس کے دل پر مہر لگ جائے اسے محض طاقت یا جبر کے ذریعے مسلمان بنانا کوئی فائدہ نہیں دیتا۔

(ابن کثیر سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۵۶، دار طیبہ للنشر والتوزیع، ریاض، 1420ھ/1999ء، ج1 ص682-683)

امام فخر الدین رازیؒ کے مطابق

اسی طرح امام فخر الدین رازیؒ نے ابو مسلم اصفہانی کا قول نقل کیا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دین کو جبر و اکراہ پر نہیں بلکہ انسان کے اختیار، شعور اور آزادانہ انتخاب پر قائم کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم کی متعدد آیات اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں کہ ایمان ایک اختیاری عمل ہے، نہ کہ زبردستی نافذ کیا جانے والا عقیدہ۔

اس طرح قرآن کی کئی آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام قبول کرانے کے لیے طاقت یا جبر کا استعمال ممنوع ہے۔

(فخر الدین الرازی، مفاتیح الغیب، تفسیر سورۃ البقرۃ، آیت 256، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ج7 ص15-17)

جو عمل کرے گا اپنے ہی لیے کرے گا

اسلام کا بنیادی اصول یہ ہے کہ ہر انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔ کوئی شخص اگر حق کو قبول کرتا ہے تو اس کا فائدہ اسی کو پہنچتا ہے، اور اگر وہ حق سے منہ موڑتا ہے تو اس کا نقصان بھی اسی کی ذات تک محدود رہتا ہے۔ اسلام کسی فرد کو اس کے عقیدے کی وجہ

سے دنیاوی جبر کا نشانہ بنانے کی تعلیم نہیں دیتا، بلکہ ہر انسان کو سوچنے، سمجھنے اور اپنے اختیار سے فیصلہ کرنے کا حق دیتا ہے۔ اسی حقیقت کو قرآنِ کریم نے نہایت واضح انداز میں بیان فرمایا ہے۔ درج ذیل آیات میں بتایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص گمراہی کا راستہ اختیار کرے گا تو وہ کسی دوسرے کا نقصان نہیں کرے گا بلکہ اپنا ہی نقصان کرے گا:

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۸﴾ (سورۃ یونس، آیت نمبر۔۱۰۸)

ترجمہ: ''کہہ دیجئے، اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آ گیا ہے، تو اب جو کوئی راہ پر آئیگا، تو وہ اپنے لئے ہی آئیگا، اور جو کوئی گمراہ ہوگا تو وہ اپنے لئے ہی گمراہ ہوگا، اور میں تمہارا وکیل (ذمّہ دار) نہیں ہوں''۔

وضاحت: اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں ایمان و ہدایت کا تعلق انسان کے اپنے شعور، غور و فکر اور آزادانہ انتخاب سے ہے۔ کسی دوسرے انسان کو اس بات کا اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ کسی کو زبردستی کسی عقیدے کا پابند بنائے۔

قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر یہی اصول بیان کیا گیا ہے کہ دین کو سمجھنا، اس پر غور کرنا اور پھر اسے اختیار کرنا انسان کی اپنی ذمہ داری ہے۔ اس لیے اسلام نہ جبر کی اجازت دیتا ہے اور نہ مذہب کے نام پر جھگڑے، ظلم یا تشدد کی تعلیم دیتا ہے۔

جس کا جی چاہے مانے یا نہ مانے

قرآنِ کریم انسان کو یہ آزادی دیتا ہے کہ وہ دلائل سننے اور حق واضح ہونے کے بعد اپنی مرضی سے ایمان قبول کرے یا انکار کرے۔ البتہ ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیتا ہے کہ ہر شخص اپنے اس فیصلے کے نتائج کا خود ذمہ دار ہوگا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی دعوت کا مقصد جبر نہیں بلکہ حق کو واضح کرنا

ہے۔درج ذیل آیت میں ایمان لانے یا نہ لانے کی آزادی دی گئی ہے:

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۖ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ (سورۃ کہف، آیت نمبر۔۲۹)

ترجمہ: اور کہہ دیجیے ”یہ قرآن حق ہے، تمہارے رب کی طرف سے تو جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے انکار کرے“۔

وضاحت: اس آیت کا مقصد انسان کو اس کے اختیار اور ذمہ داری کا احساس دلانا ہے۔ ایمان ایک ایسا فیصلہ ہے جو دل کے یقین اور عقل کے اطمینان سے ہونا چاہیے، نہ کہ خوف، دباؤ یا جبر کے تحت۔اسی لیے اسلام دعوت دیتا ہے، مگر کسی شخص کو ایمان قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتا۔

عمل کا بدلہ

اسلام کا اصول یہ ہے کہ ہر انسان اپنے عقیدے اور عمل کا خود جواب دہ ہے۔قرآنِ کریم نے یہ واضح کر دیا کہ اختلافِ مذہب کی صورت میں بھی مسلمانوں کو زبردستی، ظلم یا جبر کا راستہ اختیار کرنے کی اجازت نہیں، بلکہ ہر شخص کو اپنے عقیدے پر رہنے کا حق حاصل ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ ہر ایک کے اعمال کا فیصلہ فرمائے گا۔چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ

ترجمہ: ”تم اپنے دین پر، میں اپنے دین پر“ (سورۃ کافرون:٦)

وضاحت: یعنی تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ ملے گا اور مجھے میرے اعمال کا بدلہ ملے گا۔ اس آیت اور اس سے پہلے مذکور قرآنی آیات سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ کسی شخص کے کسی مذہب کو اختیار نہ کرنے کی وجہ سے اس کے خلاف لڑائی، جھگڑا، خونریزی یا زبردستی کرنا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔

اسلام کا طریقہ یہ ہے کہ حق کو حکمت، دلیل اور خیر خواہی کے ساتھ پیش کیا جائے، نصیحت کی جائے، اور اگر کوئی شخص اسے قبول نہ کرے تو اس کے فیصلے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے، قرآنِ کریم میں اس مضمون کی صرف ایک یا دو نہیں بلکہ متعدد آیات موجود ہیں، جنہیں غیر

جانب داری سے پڑھنے والا ہر شخص اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ اسلام مذہب کے اختلاف کی بنیاد پر ظلم، جبر یا تشدد کی تعلیم نہیں دیتا، بلکہ عدل، برداشت، مکالمہ اور مذہبی آزادی کو فروغ دیتا ہے۔

مذہبی آزادی

قرآنِ کریم کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام انسان کے ضمیر، عقل اور اختیار کا احترام کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو حق و باطل میں تمیز کرنے کی صلاحیت عطا کی ہے اور اسے سوچنے، غور کرنے اور اپنی مرضی سے فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک ہی عقیدہ اختیار کرنے پر مجبور کر سکتا تھا، لیکن اس کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ انسان کو آزمائش کے لیے اختیار دیا جائے تاکہ وہ اپنی آزادانہ مرضی سے حق کو قبول کرے یا اس سے اعراض کرے۔

اسی لیے قرآنِ کریم میں بار بار واضح کیا گیا ہے کہ ایمان جبر سے نہیں بلکہ شعور، یقین اور قلبی اطمینان سے حاصل ہوتا ہے۔ درج ذیل آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ جبر کرنا چاہتا تو سب لوگ ایمان لے آتے، لیکن اس نے انسان کو اختیار دیا ہے تاکہ وہ دیکھے کہ کون صحیح راستہ اختیار کرتا ہے اور کون گمراہی کا راستہ اپناتا ہے:

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ۔ (سورۃ یونس، آیت نمبر۔۹۹)

ترجمہ: ''اور اگر تمہارا رب چاہتا تو اس زمین کے اوپر جتنے لوگ ہیں سب کے سب ایمان لے آتے، تو کیا تم لوگوں پر زبردستی کرنا چاہتے ہو کہ وہ ایمان والے ہو جائیں''؟

وضاحت: اس آیت سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ مذہب کے معاملے میں زور زبردستی کو درست سمجھنا قرآن اور اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ ایمان دل کا یقین ہے، اور یقین کبھی طاقت یا جبر کے ذریعے پیدا نہیں کیا جا سکتا۔

ھدایت کا راستہ

قرآنِ کریم انسان کو بار بار غور و فکر کی دعوت دیتا ہے اور واضح کرتا ہے کہ ہدایت کا راستہ اس شخص کے لیے کھلتا ہے جو حق کو قبول کرنے کی نیت رکھتا ہو۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ
وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (سورۃ انعام:۳۹)

ترجمہ: ”اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، وہ بہرے اور گونگے ہیں، اندھیرے میں پڑے ہوئے ہیں، اللہ جسے چاہے بھٹکا دے اور جسے چاہے سیدھی راہ پر لگا دے“۔

وضاحت: اسلام صرف مذہبی آزادی ہی نہیں دیتا بلکہ دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے جذبات اور مذہبی مقدسات کے احترام کی بھی تعلیم دیتا ہے۔ اختلافِ عقیدہ کے باوجود کسی کے معبود یا مذہبی شخصیت کی توہین کرنے سے منع کیا گیا ہے، تاکہ نفرت، اشتعال اور باہمی دشمنی پیدا نہ ہو۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ؕ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ
عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۷﴾ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا
اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ (سورۃ انعام، آیت نمبر۔۱۰۸،۱۰۷)

ترجمہ: ”اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا، تو یہ لوگ شرک نہ کرتے، اور ہم نے آپ کو ان پر نگہبان مقرر نہیں کیا، اور نہ آپ ان کے کوئی ذمّہ دار ہی ہیں ”اور جن لوگوں کو یہ مشرک اللہ کے سوا پکارتے ہیں، ان کو برا نہ کہنا تو وہ اللہ کو برا کہیں گے عداوت کی بنا پر کم علمی کی وجہ سے“۔

وضاحت: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام مذہبی اختلاف کے باوجود احترامِ انسانیت اور شائستہ گفتگو کا حکم دیتا ہے۔ کسی دوسرے مذہب کی مقدس ہستیوں یا معبودوں کی توہین اسلامی اخلاق کے خلاف ہے، ہدایت اور گمراہی کا حقیقی فیصلہ اللہ تعالیٰ کے علم میں

ہے۔انسان کا کام صرف حق کو پہنچانا ہے، جبکہ آخری فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کرے گا۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعۡلَمُ مَنۡ يَّضِلُّ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ

ترجمه: ”آپ کا رب انہیں اچھی طرح جانتا ہے جو اس کے راستے سے بھٹکا ہے اور وہ انہیں بھی جانتا ہے جو سیدھی راہ پر ہیں“۔(سورۃ انعام، آیت نمبر ۱۱۷)

اپنا اپنا حساب

اسلام ہر شخص کو اس کے اپنے اعمال کا ذمہ دار قرار دیتا ہے۔کوئی انسان دوسرے کے عقیدے یا عمل کا جواب دہ نہیں ہوگا۔

وَاِنۡ كَذَّبُوۡكَ فَقُلْ لِّىۡ عَمَلِىۡ وَلَـكُمۡ عَمَلُكُمۡ‌ ۚ اَنۡتُمۡ بَرِيۡٓــُٔوۡنَ مِمَّاۤ اَعۡمَلُ وَاَنَا بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۴۱﴾ (سورۃ یونس، آیت نمبر ۴۱)

ترجمه: ”اور اگر یہ آپ کو جھٹلائیں، تو کہہ دیجئے، میرا کیا ہوا میرے لئے اور تمہارا کیا ہوا تمہارے لئے؛ تم میرے کام کے ذمّہ دار نہیں اور میں تمہارے کام کا ذمّہ دار نہیں ہوں“۔

حق کی پہچان

قرآنِ کریم انسان کو عقل، تدبر اور غور و فکر سے کام لینے کی دعوت دیتا ہے، کیونکہ ایمان اندھی تقلید کا نام نہیں بلکہ سوچ سمجھ کر حق کو قبول کرنے کا نام ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَفۡسٍ اَنۡ تُؤۡمِنَ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ‌ ؕ وَيَجۡعَلُ الرِّجۡسَ عَلَى الَّذِيۡنَ لَا يَعۡقِلُوۡنَ

ترجمه: ”اور کسی شخص کے لئے یہ ممکن نہیں، کہ اللہ کی اجازت کے بغیر وہ ایمان لائے، اور اللہ ان لوگوں پر گندگی ڈال دیتا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے۔“(سورہ یونس، آیت نمبر۔۱۰۰)

اعمال کا ذمہ دار

اسلام کے مطابق ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے اور اسی کو اپنے نیک یا برے اعمال کا نتیجہ بھگتنا ہوگا۔

اِنۡ اَحۡسَنۡتُمۡ اَحۡسَنۡتُمۡ لِاَنۡفُسِكُمۡ‌ ۖ وَاِنۡ اَسَاْتُمۡ فَلَهَا‌ ؕ (سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر ۷)

ترجمہ: ''اگر تم نے بھلائی کی تو اپنے ہی لئے کی اور اگر تم نے برائی کی تو اپنے ہی لئے کی''۔

اعمال کا بدلہ

اسلام اہلِ ایمان کو بھی یہ تعلیم دیتا ہے کہ جو لوگ ایمان قبول نہیں کرتے، ان کے ساتھ بھی صبر، درگزر اور حسنِ اخلاق کا معاملہ کیا جائے، کیونکہ ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ اللہ تعالیٰ ہی دے گا۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًاۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (سورۃ جاثیہ، آیت نمبر۔ ۱۴)

ترجمہ: ''جو لوگ ایمان لائے ان سے کہہ دیجئے، جو لوگ اللہ کے دنوں کی (جو اعمال کے بدلہ کا یقین نہیں رکھتے یعنی) امید نہیں رکھتے ان سے درگزر کریں، تاکہ 'وہ ان لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے''۔

وضاحت: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اور اہلِ ایمان کا کام لوگوں کو حق سے آگاہ کرنا، حکمت اور حسنِ اخلاق کے ساتھ دعوت دینا اور درگزر سے کام لینا ہے، نہ کہ کسی کو زبردستی اسلام قبول کرانا۔ آخری فیصلہ اور ہر انسان کے اعمال کا بدلہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

رسول کے ذمّہ پیغام پہنچانا

اسلام کے مطابق رسولوں کی بعثت کا بنیادی مقصد اللہ تعالیٰ کا پیغام انسانوں تک واضح، مکمل اور صحیح انداز میں پہنچانا ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کا منصب لوگوں کو حق کی دعوت دینا، اللہ کی آیات کو کھول کر بیان کرنا، خیر و شر کا فرق واضح کرنا اور نیکی کی طرف رہنمائی کرنا ہے۔ البتہ کسی شخص کو ایمان قبول کرنے پر مجبور کرنا، اس کے دل کو بدل دینا یا اس کے عقیدے پر جبر کرنا رسولوں کی ذمہ داری نہیں۔ ہدایت دینا اور دلوں کو ایمان سے منور کرنا صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، جبکہ رسول کا فرض صرف حق کو پوری امانت، حکمت اور وضاحت کے ساتھ پہنچا دینا ہے۔

رسول کی ذمہ داری

درج ذیل آیت میں بتایا گیا ہے کہ رسول کے ذمہ صرف اللہ کا پیغام واضح طور پر پہنچانے کی ذمہ داری ہے: اِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ (سورۃ المائدہ، آیت:92)

ترجمہ: ''بے شک ہمارے رسول کے ذمّہ تو صرف پیغام کو کھول کر پہنچا دینا ہے''۔

وضاحت: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمہ داری صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کو پوری وضاحت کے ساتھ لوگوں تک پہنچانا تھی۔ کسی شخص کے ایمان لانے یا نہ لانے کا فیصلہ اس کی اپنی مرضی اور اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے، نہ کہ رسول کے جبر یا طاقت پر۔

● اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ایک اور ارشاد ہے:

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا ؕ اِنْ عَلَیْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ

(سورۃ شوریٰ، آیت نمبر۔ ۴۸)

ترجمہ: ''اب بھی اگر یہ دھیان میں نہ لائیں تو ہم نے تو آپ کو ان پر کوئی محافظ بنا کر نہیں بھیجا، آپ پر تو صرف پہنچا دینے کی ذمّہ داری ہے''۔

وضاحت: یہ آیت بھی اسی حقیقت کو مزید واضح کرتی ہے کہ اسلام دعوت، نصیحت اور خیر خواہی کا دین ہے، جبر و اکراہ کا نہیں۔ اگر کوئی شخص دعوتِ حق قبول نہ کرے تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا اہلِ ایمان کو اس پر زبردستی کرنے کا اختیار نہیں دیا گیا، بلکہ ان کی ذمہ داری صرف حق کو حکمت، حسنِ اخلاق اور واضح دلائل کے ساتھ پہنچانا ہے۔ اس کے بعد ہر انسان اپنے فیصلے کا خود ذمہ دار ہے اور اللہ تعالیٰ ہی قیامت کے دن اس کے اعمال کا فیصلہ فرمائے گا۔

خلاصہ

قرآنِ کریم کی مذکورہ آیات کا مجموعی مطالعہ اس حقیقت کو نہایت واضح انداز میں سامنے لاتا ہے کہ اسلام نے مذہب کے معاملے میں جبر، اکراہ اور زور زبردستی کے بجائے آزادیِ انتخاب، عقل و شعور، دعوت، حکمت اور حسنِ اخلاق کو بنیاد بنایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو بار بار یہ ہدایت دی کہ آپ کا منصب صرف اللہ کا پیغام واضح طور پر پہنچانا، حق کو دلائل کے ساتھ بیان کرنا اور خیر خواہی کے ساتھ لوگوں کو دعوت دینا ہے۔ کسی شخص کو ایمان قبول کرنے پر مجبور کرنا، اس کے دل پر اختیار رکھنا یا اس کے عقیدے کو طاقت کے ذریعے تبدیل کرنا نہ رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داری تھی اور نہ ہی اسلام نے اس کی اجازت دی۔

قرآنِ کریم متعدد مقامات پر یہ بھی واضح کرتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمام انسانوں کو جبراً مومن بنا دیتا، لیکن اس نے انسان کو عقل، فہم اور اختیار عطا کیا تاکہ وہ اپنی آزادانہ مرضی سے حق اور باطل میں سے کسی ایک کا انتخاب کرے۔

اسی لیے قرآن اعلان کرتا ہے کہ ''دین میں کوئی جبر نہیں''، ''جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے انکار کرے''، اور ''تمہارا دین تمہارے لیے اور میرا دین میرے لیے''۔ یہ تمام آیات اس بات کا کھلا ثبوت ہیں کہ ایمان ایک اختیاری اور قلبی عمل ہے، جسے نہ تلوار سے حاصل کیا جا سکتا ہے اور نہ طاقت سے مسلط کیا جا سکتا ہے۔

جذبات کا احترام

قرآنِ کریم یہ بھی تعلیم دیتا ہے کہ ہر انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔ جو شخص ہدایت اختیار کرے گا، اس کا فائدہ اسی کو پہنچے گا، اور جو گمراہی اختیار کرے گا، اس کا نقصان بھی اسی کی ذات تک محدود رہے گا۔

اسی طرح اسلام دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے مذہبی جذبات کے احترام کی تعلیم دیتا ہے اور ان کے معبودوں یا مقدسات کی توہین سے بھی منع کرتا ہے، تاکہ معاشرے میں امن، احترام اور باہمی رواداری قائم رہے، ان واضح قرآنی تعلیمات کے بعد یہ کہنا درست نہیں کہ حضرت محمد ﷺ نے یا اسلام نے لوگوں کو تلوار یا طاقت کے زور پر مسلمان بنانے کی تعلیم دی۔ اگر کسی فرد یا گروہ نے کسی زمانے میں اسلامی تعلیمات کے برخلاف جبر، ظلم یا

طاقت کا استعمال کیا ہو تو وہ اس کا ذاتی عمل ہو سکتا ہے، لیکن اسے قرآنِ کریم یا اسلام کی اصل تعلیم قرار نہیں دیا جا سکتا، کیونکہ قرآن کے صریح احکام اس کے برعکس ہیں۔

اس طرح قرآنِ کریم کی یہ آیات اس حقیقت کو نمایاں کرتی ہیں کہ اسلام مذہبی آزادی، عدل، احترامِ انسانیت، دعوت بالحکمہ اور آزادیِ ضمیر کا علمبردار ہے۔ وہ ہر انسان کو سوچنے، سمجھنے اور اپنی مرضی سے فیصلہ کرنے کا حق دیتا ہے، جبکہ آخرت میں جزا وسزا کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہے۔ یہی قرآن کا مذہبی آزادی کے بارے میں بنیادی اور دائمی اصول ہے۔

انسانی احترام حجۃ الوداع کا پیغام

آج دنیا میں ہر طرف حقوق انسانی کا چرچا ہے لیکن کون نہیں جانتا کہ یہ سب باتیں نقاب کے مانند ہیں جن کے نیچے دنیا کے گوشے گوشے میں قدر حریت اور شرف انسانیت کی مٹی پلید ہو رہی ہے۔

تہذیب حاضر نے انسانیت پر ظلم وستم کے نئے نئے طریقے ایجاد کئے ہیں اور یہ طریقے ایسے ہولناک جن کی مثال تاریخ عالم کا کوئی تاریک سے تاریک صفحہ پیش نہیں کرسکتا۔ جو قومیں حقوق انسانی کی پاسبانی کے بلند بانگ دعوے کر رہی ہیں وہی انسانیت کا خون چوسنے میں پیش پیش ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ خطبہ نہ کسی سیاسی مصلحت کا نتیجہ تھا نہ کسی وقتی جذبہ کی پیداوار، یہ اللہ کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دنیا کے نام آخری پیغام تھا جس میں یہ بتایا گیا کہ انسان کی بقاء کا راز انسانیت کے احترام میں مضمر ہے۔

ذوالحجہ 10 ہجری (مطابق مارچ 632ء) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری حج، یعنی حجۃ الوداع، کی ادائیگی کا ارادہ فرمایا اور اپنی تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو بھی ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ عرب کے گوشے گوشے سے مسلمان شرفِ رفاقت حاصل کرنے کے لیے مدینہ منورہ پہنچنے لگے۔

جہاں تک نظر جاتی تھی، انسانوں کا ایک عظیم الشان سمندر موجیں مارتا دکھائی دیتا تھا۔ اندازاً ایک لاکھ سے زائد مسلمان ایمان وعقیدت کے جذبے سے سرشار ہو کر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں بیت اللہ کی جانب روانہ ہوئے اور فضا مسلسل تلبیہ کی روح پرور صداؤں سے گونج رہی تھی:

لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيكَ لَكَ۔

ترجمہ: ''اے اللہ! میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں۔ بے شک تمام تعریف تیرے ہی لیے ہے، تمام نعمتیں تیری ہی عطا کردہ ہیں اور بادشاہی بھی تیری ہی ہے، تیرا کوئی شریک نہیں''۔

وضاحت: یہ مبارک قافلہ اللہ تعالیٰ کی توحید، اطاعت اور بندگی کا عملی مظہر بن کر بیت اللہ کی طرف بڑھ رہا تھا، اور ہر طرف تلبیہ کی صدائیں گونج رہی تھیں، جو ایمان، اخلاص اور اللہ تعالیٰ کے حضور کامل سپردگی کا اعلان کر رہی تھیں۔

بے مثال اجتماع

آسمانوں نے اس سے بھی کہیں بڑے انسانی اجتماعات دیکھے ہوں گے، لیکن حجۃ الوداع کا یہ عظیم اجتماع اپنی نوعیت، مقصد اور روحانی عظمت کے اعتبار سے بے مثال تھا۔

اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کا یہ قافلہ، انسانیت کے کامل ترین رہنما حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت میں اس شان سے رواں تھا کہ گویا زمین سے آسمان تک حق، ایمان، اخلاص اور بندگیِ الٰہی کا نور پھیل رہا ہو۔

رنگ، نسل، زبان، قومیت اور قبیلے کے تمام امتیازات مٹ چکے تھے، اور ہر زبان پر صرف ایک ہی صدا تھی:

''لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ'' یہ منظر اس حقیقت کا عملی اعلان تھا کہ اسلام انسانوں کو ایک رب، ایک دین اور ایک امت کے رشتے میں جوڑتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطاب

اس تاریخی اور عظیم اجتماع کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف مواقع پر امت سے خطاب فرمایا، جن میں میدانِ عرفات کا خطبہ سب سے زیادہ جامع اور معروف ہے۔ اس خطبے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توحید، انسانی مساوات، جان و مال کے احترام، خواتین کے حقوق، باہمی اخوت، ظلم سے اجتناب، سود کی حرمت اور آخرت کی جواب دہی جیسے بنیادی اصول بیان فرمائے، جو قیامت تک پوری انسانیت کے لیے ہدایت اور رہنمائی کا سرچشمہ ہیں۔ عرفات میں حمد و ثنائے الٰہی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''اللہ کے بندو! میری بات اچھی طرح سن لو، خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ یکتا ہے، کوئی اس کا ساجھی نہیں۔ خدا نے اپنا وعدہ پورا کیا، اس نے اپنے بندے (رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مدد فرمائی، اور تنہا اسی کی ذات نے باطل کی ساری مجتمع قوتوں کو زیر کیا''۔

میں نہیں جانتا، شاید اس کے بعد میں تم سے نہ مل سکوں۔ سن لو کہ امور جاہلیت میں سے ہر چیز آج میرے ان دونوں قدموں کے نیچے ہے۔ عربی کی عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر فضیلت نہیں ہے۔ اگر فضیلت ہے تو وہ صرف پرہیزگاری کی بنا پر ہے۔ تم سب آدمؑ کی اولاد سے ہو اور آدم مٹی سے تھے۔

● اس سلسلے میں سورہ الحجرات آیت نمبر ۴۹: ۱۳ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۔

ترجمہ: لوگوں! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہیں قبیلوں اور خاندانوں میں تقسیم کیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہنچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ (سورہ الحجرات: ۱۳)

وضاحت: آپ نے فرمایا مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اور سبھی مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں (لوگو! تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے اور تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے تھے۔

جاہلیت کے (اور فضیلت و برتری کے سب دعوے باطل کر دیئے گئے۔ خون و مال کے سارے مطالبے اور سارے انتقام میرے پاؤں تلے روندے جاچکے ہیں۔

پہلا خون جسے میں کالعدم قرار دیتا ہوں، میرے اپنے خاندان کا ہے۔ ربیعہؓ بن الحارث کے دودھ پیتے بیٹے کا خون جسے بنوُ ہذیل نے مار ڈالا تھا۔ اب میں معاف کرتا ہوں۔

قریش کے لوگو! خدا نے تمہارے جھوٹی نخوت کو ختم کر ڈالا اور باپ دادا کے کارناموں پر تمہارے فخر ومباہات کی اب کوئی گنجائش نہیں، تمہارے خون اور تمہاری عزتیں اور تمہارے اموال ایک دوسرے کے لئے ویسے ہی حرام ہیں جیسے آج حج کا دن تمہارے اس مہینے اور تمہارے اس شہر میں حرام ہے۔ (پس بیت اللہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمات اعلیٰ حالہ باقی رہیں گی)۔

دیکھو! تم سب مرنے کے بعد عنقریب اپنے رب کے سامنے پیش ہو گے، وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق باز پرس کرے گا۔ لوگو ایسا نہ ہو کہ خدا کے حضور تم اس طرح آؤ کہ تمہاری گردنوں پر تو دنیا کا بوجھ لدا ہو اور دوسرے لوگ سامان آخرت لے کر پہنچیں۔ اور اگر ایسا ہوا تو میں خدا کے سامنے تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔ میں تو ہر عمل کے متعلق تمام احکام تمہیں پہنچا چکا ہوں۔ (خطبہ حجۃ الوداع صفحہ ۱۸۴)

(صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حدیث: 1218؛ صحیح بخاری، کتاب الحج، کتاب المغازی، اور کتاب العلم، احادیث: 67، 1739، 1741، 4406؛ مسند احمد، مسند جابر بن عبداللہؓ، حدیث: 14462 (طبعۃ الرسالۃ؛ دیگر طبعات میں حدیث نمبر مختلف ہوسکتا ہے)؛ جامع ترمذی، حدیث: 3270 (بعض طبعات میں نمبر مختلف ہے)۔

❀❀❀

حصہ سوم

غیر مسلموں کے حقوق

اور

خلفاء راشدین کے دور میں ان کے تحفظ کا عملی نمونہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

غیر مسلموں کے حقوق اور تعلقات

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''حقوق العباد میں سے قیامت کے دن سب سے پہلے کسی کے ناجائز خون بہانے کے بارے میں سوال ہوگا''۔ (صحیح بخاری، رقم: ۶۸۶۴۔ صحیح مسلم، رقم: ۱۶۷۸/۲۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو۔ عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! وہ کون سی ہیں؟ (ان میں سے تین یہ ہیں) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(۱) شرک کرنا۔ (۲) جادو کرنا۔ (۳) جس کا قتل جائز نہ ہو اس کو ناحق قتل کرنا۔

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، رقم الحدیث: ۳۶۲)

غیر مسلم شہری کے قاتل پر جنت حرام ہے

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو مسلمان کسی غیر مسلم شہری (معاہد) کو ناحق قتل کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا''۔ (سنن نسائی، کتاب القیامۃ، تعظیم قتل المعاہد)

● ح ضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے کسی غیر مسلم شہری (معاہد) کو قتل کیا تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں

سونگھے گا حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس برس کی مسافت تک محسوس ہوتی ہے''۔

(صحیح بخاری، کتاب الجزیۃ، رقم: ۲۹۹۵۔ سنن ابن ماجہ، رقم: ۲۶۸۶۔ مسند بزار: ۶/ ۳۶۸، رقم: ۲۳۸۳)

غیر مسلم مذہبی پادریوں کے قتل کی ممانعت

غیر مسلموں کے مذہبی رہنماؤں کے قتل کی بھی ممانعت کی گئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''نبی اکرم ﷺ جب اپنے لشکروں کو روانہ کرتے تو حکم صادر فرماتے غداری نہ کرنا، دھوکا نہ دینا، نعشوں کی بے حرمتی نہ کرنا اور بچوں اور پادریوں کو قتل نہ کرنا''۔

(مسند احمد: ۱/ ۳۰۰، رقم: ۲۷۲۸، مصنف ابن ابی شیبہ: ۶/ ۴۸۴، رقم: ۳۳۱۳۲، مسند ابویعلی: ۴/ ۴۲۲، رقم: ۲۵۴۹)

مسلم اور غیر مسلم کا قصاص اور دیت

حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''ایک مسلمان نے اہل کتاب میں سے ایک آدمی کو قتل کر دیا، وہ مقدمہ نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں پیش ہوا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں غیر مسلم شہریوں کے حقوق ادا کرنے کا سب سے زیادہ ذمہ دار ہوں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے (بطورِ قصاص مسلمان قاتل کو قتل کیے جانے کا) حکم دیا اور اسے قتل کر دیا گیا''۔ (مسند الشافعی، رقم: ۳۴۲۔ السنن الکبری للبیہقی: ۸/ ۳۰، رقم: ۱۵۶۹۶)

● حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے غیر مسلموں کو دیت میں مساوی حقوق دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: ''اگر کسی مسلمان نے عیسائی کو قتل کیا تو وہ مسلمان قصاصاً قتل کیا جائے گا''۔ (کتاب الام: ۷/ ۳۲۰)

غیر مسلم پر ظلم کی ممانعت

قرآن وحدیث کے مطابق ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔ جس نے ظلم کیا حسبِ دستور بدلہ اور سزا کا وہی مستحق ہے، اس کے بدلے میں کوئی دوسرا نہیں۔ اس کے جرم کی سزا اس کے اہل وعیال، دوستوں یا اس کی قوم کے دیگر افراد کو نہیں دی جا سکتی۔ ارشاد ربانی ہے:

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ؕ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٦٤﴾ (الانعام: ۱۶۴)

ترجمہ: ''اور جو انسان بھی کوئی برا عمل کرتا ہے تو اس کا وبال اسی پر پڑتا ہے، اور کوئی جان کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی، پھر تمہیں اپنے رب کے پاس ہی لوٹ کر جانا ہے، تو وہ تمہیں اس صحیح بات کی خبر دے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے''۔

وضاحت: امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کے گورنر سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو جو فرمان لکھا تھا اس میں من جملہ دیگر احکام کے یہ بھی درج تھا:

''(تم بحیثیت گورنر شام) مسلمانوں کو ان غیر مسلم شہریوں پر ظلم کرنے، انہیں ضرر پہنچانے اور ناجائز طریقہ سے ان کا مال کھانے سے سختی کے ساتھ منع کرو''۔
(کتاب الخراج لابی یوسف: ۱۵۲)

● حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: ''غیر مسلم شہری ٹیکس اس لئے ادا کرتے ہیں کہ ان کے خون ہمارے خون کی طرح اور ان کے اموال ہمارے اموال کے برابر محفوظ ہو جائیں''۔ (المغنی لابن قدامۃ: ۹/۸۸۱)

غیر مسلم شہری کا مال چُرانے والے پر اسلامی حد

اسلام نے مال کی چوری کو حرام قرار دیا ہے اور اس پر نہایت سخت سزا مقرر کی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں قریش کی ایک مخزومی عورت نے چوری کی تو آپ ﷺ نے اس پر حد جاری کرنے کا حکم فرمایا۔ لوگوں نے آپ ﷺ سے اس کی سفارش کرنا چاہی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو اس پر بھی حد جاری کی جاتی ہے۔
(صحیح بخاری کتاب الانبیاء، رقم: ۳۲۸۸۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود، رقم: ۱۶۸۸)

● امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح صحیح مسلم میں رقمطراز ہیں: ''یقیناً غیر مسلم شہری،

معاہد اور مرتد کا مال بھی مسلمان کے مال ہی کی طرح ہے''۔ (شرح صحیح مسلم: ۱۲/۷)

● علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ غیر مسلم شہری کا مال چوری کرنے پر بھی مسلمان پر حد جاری کی جائے گی۔ (المحلی: ۱۰/۳۵۱)

● علامہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس پر اجماع ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم شہری کا مال چرائے تو اس پر حد جاری کی جائے گی۔ (بدایۃ المجتہد: ۲/۲۹۹)

مظلوم غیر مسلم شہری کی وکالت کا اعلان

رسول اللہ ﷺ نے غیر مسلم شہریوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے۔ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ غیر مسلم شہریوں کو ظلم و زیادتی سے تحفظ کی ضمانت دے۔ اگر اسلامی ریاست میں کسی غیر مسلم شہری پر ظلم ہو اور ریاست اسے انصاف نہ دلا سکے تو آپ ﷺ نے قیامت کے روز ایسے مظلوم لوگوں کا وکیل بن کر انہیں ان کا حق دلوانے کا اعلان فرمایا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''خبردار! جس نے کسی غیر مسلم شہری پر ظلم کیا یا اس پر ظلم کیا اس کا حق مارا یا اس پر اس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ ڈالا یا اس کی دلی رضامندی کے بغیر کوئی چیز اس سے چھین لی تو روزِ قیامت کے دن میں اس کی طرف سے جھگڑا کروں گا۔''

(سنن ابوداؤد، کتاب الخراج والفئی والامارۃ، رقم: ۳۰۵۲۔ السنن الکبری: ۹/۲۰۵۔ الترغیب والترہیم: ۴/۷۔ کشف الخفاء: ۲/۳۴۲)

غیر مسلم شہریوں کا اندرونی جارحیت سے تحفظ

اسلامی ریاست کے فرائض میں سے یہ ہے کہ وہ تمام غیر مسلم شہریوں کو ہر قسم کا تحفظ فراہم کرے۔ کوئی بھی فرد خواہ کسی قوم، مذہب یا ریاست سے تعلق رکھتا ہو اگر وہ کسی غیر مسلم شہری پر جارحیت کرے اور اس پر ظلم و زیادتی کرے تو اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ بلا امتیازِ مذہب اپنے شہری کو تحفظ فراہم کرے، چاہے اس سلسلے میں اسے

جارحیت کرنے والے سے جنگ کرنی پڑے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍ بَىٕيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ﴿۱۶۵﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے ان لوگوں کو جو ظلم کرتے تھے نہایت برے عذاب کے ذریعے پکڑ لیا کیونکہ وہ نافرمانی کر رہے تھے''۔ (الاعراف:۱۶۵)

● حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے کسی غیر مسلم شہری کو تکلیف پہنچائی تو میں اس کا وکیل ہوں گا اور جس کا میں فریق ہوں گا تو قیامت اس پر غالب آ جاؤں گا''۔ (تاریخ بغداد:۸/۳۷۰۔ عمدۃ القاری:۱۵/۸۹)

غیر مسلم شہریوں کی بیرونی جارحیت سے تحفظ

غیر مسلم شہریوں کا بیرونی جارحیت سے تحفظ کرنے کے حوالے سے حکومت وقت پر وہ سب کچھ واجب ہے جو مسلمان کے لئے اس پر لازم ہے۔ چونکہ حکومت کے پاس قانونی و سیاسی طور پر غلبہ و اقتدار بھی ہوتا ہے اور عسکری و فوجی قوت بھی، اس لئے اس پر واجب ہے کہ وہ ان کے مکمل تحفظ کا اہتمام کرے۔

● سیدنا امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''بے شک غیر مسلم شہری اس لئے ٹیکس دیتے ہیں کہ ان کے مال ہمارے مال کی طرح اور ان کے خون ہمارے خون کی طرح محفوظ ہو جائیں''۔ (المغنی:۹/۱۸۱۔ نصب الرایۃ:۳/۳۸۱)

● فقہ حنبلی کی کتاب ''مطالب اولی النہی'' میں مرقوم ہے: ''حکومت کا فرض ہے کہ وہ غیر مسلم شہریوں کو مسلم ریاست میں رہنے کی وجہ سے ہر قسم کی اذیت و تکلیف سے مکمل تحفظ فراہم کرے''۔ (الفروق للقرافی:۳/۱۴، ۱۵)

● علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا موقف بھی یہی ہے۔ جب تاتاریوں نے ملک شام پر قبضہ کر لیا تو علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ قیدیوں کی رہائی کے لئے ''قطلو شاہ'' کے پاس گئے۔ تاتاری قیادت نے مسلمان قیدیوں کو رہا کرنے پر تو آمدگی ظاہر کی مگر

غیر مسلم شہریوں کو چھوڑنے سے انکار کر دیا۔

● چنانچہ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ہم اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ یہود و نصاریٰ میں سے بھی تمام قیدی آزاد نہ کئے جائیں۔ وہ ہمارے ہی غیر مسلم شہری ہیں اور ہم کسی بھی قیدی کو قید کی حالت میں نہیں چھوڑیں گے خواہ وہ غیر مسلم آبادی سے تعلق رکھتا ہو یا مسلم آبادی سے۔ جب اس نے اپنے موقف پر ان کا اصرار اور شدت دیکھی تو ان کی خاطر تمام مسلم و غیر مسلم قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ (مجموع الفتاوی: ۲۸/ ۶۱۷، ۶۱۸)

بلا امتیاز قتل عام کی ممانعت

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ⑧ (الممتحنۃ: ۸)

ترجمہ: ''اللہ تمہیں اس بات سے منع نہیں فرماتا کہ جن لوگوں نے تم سے دین (کے بارے) میں جنگ نہیں کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے (یعنی وطن سے) نکالا ہے کہ تم ان سے بھلائی کا سلوک کرو اور ان سے عدل و انصاف کا برتاؤ کرو، بے شک اللہ عدل و انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے''۔

● حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی غزوہ میں ایک عورت کو دیکھا جسے قتل کر دیا گیا تھا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (سختی سے) عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی ممانعت فرمادی''۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۲۸۵۲۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۷۴۴)

ابن بطال نے ''شرح صحیح البخاری (۵/ ۱۸۶)'' میں اور امام نووی نے ''شرح صحیح مسلم (۱۲/ ۴۳)'' میں اسی موقف کی تائید کی ہے کہ دورانِ جنگ عورتوں کو قتل اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ امام بیہقی نے السنن الکبریٰ میں روایت کیا ہے: ''سیدنا ابن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ابن ابی حقیق کی طرف

لشکر روانہ کیا تو لشکرِ اسلام کو عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا''۔
(مصنف عبدالرزاق: ۵/ ۲۰۲۔ السنن الکبریٰ للبیہقی: ۹/ ۷۷)

● حضرت ابوثعلبہ خشنی روایت کرتے ہیں کہ: ''نبی اکرم ﷺ نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا''۔ (المعجم الاوسط: ۷/ ۱۱۳، رقم: ۷۰۱۱)

غیر مسلموں کے بچوں کے قتل کی ممانعت

دورانِ جنگ غیر مسلموں کے بچوں کے قتل کی ممانعت بھی اسلام کے سنہری اور انسان دوست ضابطوں میں سے ایک ہے، امام ابوداوَد وسیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''نہ کسی بوڑھے کو قتل کرو، نہ شیر خوار بچے کو، نہ نابالغ کو اور نہ عورت کو''۔ ''نبی اکرم ﷺ عورتوں اور عمر رسیدہ افراد کو قتل کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے''۔ (سنن ابوداوَد، کتاب الجہاد، رقم: ۲۶۱۴۔ السنن الکبریٰ للبیہقی: ۹/ ۹۰، مصنف ابن ابی شیبۃ: ۶/ ۴۸۴)

اسلامی لشکر کو ہدایت

رسول کریم ﷺ جب اسلامی لشکر کو مشرکین کی طرف روانہ فرماتے تو یوں ہدایت دیتے: ''کسی بچے کو قتل نہ کرنا، کسی عورت کو قتل نہ کرنا، کسی بوڑھے کو قتل نہ کرنا، چشموں کو خشک و ویران نہ کرنا، جنگ میں حائل درختوں کے سوا کسی دوسرے درخت کو نہ کاٹنا، کسی انسان کا مثلہ نہ کرنا، کسی جانور کا مثلہ نہ کرنا، بدعہدی نہ کرنا اور چوری وخیانت نہ کرنا''۔
(السنن الکبریٰ للبیہقی: ۹/ ۹۰، رقم: ۱۷۹۳۴)

غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کا تحفظ

اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ تمام مذاہب کے مذہبی مقامات اور عبادت گاہوں کی حرمت کا خیال رکھے اور انہیں مکمل تحفظ فراہم کرے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحج میں ارشاد فرمایا: وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ (سورہ حج: ۴۰)

ترجمہ: ''اور اگر اللہ انسانی طبقات میں سے بعض کو بعض کے ذریعے ہٹاتا نہ رہتا تو خانقاہیں اور گرجے اور کلیسے اور مسجدیں (یعنی تمام ادیان کے مذہبی مراکز اور عبادت گاہیں) مسمار اور ویران کر دی جاتیں جن میں کثرت سے اللہ کے نام کا ذکر کیا جاتا ہے''۔

فائدہ: شریعت کی یہ حکمت عملی ہے کہ غیر مسلموں کو ان کے مذہب و مسلک پر برقرار رہنے کی پوری آزادی دیتا ہے۔ اسلامی مملکت ان کے عقیدہ و عبادت سے تعرض نہ کرے گی۔ اہل نجران کو نبی اکرم ﷺ نے جو خط لکھا تھا اس میں یہ درج تھا:

''نجران اور ان کے حلیفوں کو اللہ اور اس کے رسول محمد ﷺ کی پناہ حاصل ہے۔ ان کی جانیں، ان کی شریعت، زمین، اموال، حاضر و غائب اشخاص، ان کی عبادت گاہوں اور ان کے گرجا گھروں کی حفاظت کی جائے گی۔ کسی پادری کو اس کے مذہبی مرتبے، کسی راہب کو اس کی رہبانیت اور کسی صاحب منصب کو اس کے منصب سے ہٹایا نہیں جائے گا اور ان کی زیر ملکیت ہر چیز کی حفاظت کی جائے گی''۔ (الطبقات الکبریٰ لابن سعد: ۱/ ۲۲۸، ۳۵۸)

● ابن ابی شیبہ حضرت ثابت بن حجاج کلابی سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی اور پھر فرمایا: ''خبردار! عبادت گاہوں میں موجود (غیر متحارب) پادری کو قتل نہ کیا جائے''۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ: ۶/ ۴۸۳، رقم: ۳۳۱۲۷)

بیہقی نے حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب اسلامی لشکروں کو جہادی مہم پر روانہ کرتے تو انہیں وصیت کرتے: ''کہ دیکھو کھجور کے باغات کو تباہ و برباد نہ کرنا نہ انہیں جلانا، نہ کسی چوپائے کو ذبح کرنا، نہ کسی پھل دار درخت کو کاٹنا، نہ کوئی گرجا گھر گرانا، نہ بچوں کو قتل کرنا نہ بوڑھوں کو، نہ عورتوں کو۔ عنقریب تم ایسے لوگوں کو پاؤ گے جنہوں نے اپنے آپ کو عبادت گاہوں میں پابند کر رکھا ہوگا، پس تم انہیں اور جس چیز کے لئے انہوں نے اپنے آپ کو پابند کر رکھا ہے، چھوڑ دینا''۔ (السنن الکبریٰ: ۹/ ۸۵، رقم: ۱۷۹۰۴)

غیر مسلموں کو آگ میں جلانے کی ممانعت

عہد جاہلیت میں لڑائی کے دوران اس قدر وحشیانہ افعال سرزد ہوتے تھے کہ شدت انتقام میں دشمن کو زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگی قوانین میں بے شمار اصلاحات کے ساتھ ساتھ آگ میں جلانے جیسی وحشیانہ حرکت سے بھی منع فرما دیا۔

● آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چیونٹیوں کا ایک بل دیکھا جسے جلایا گیا تھا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''آگ کے ساتھ عذاب دینا آگ کے رب کے علاوہ کسی کے لئے جائز نہیں''۔

(سنن ابوداؤد، کتاب الجہاد، رقم: ۲۶۷۵)

● اسلام میں موذی جانوروں کو آگ سے جلانا ممنوع ہے تو انسانوں کو جلانا تو بالاولی ممنوع ہوا۔ چنانچہ محمد بن حمزہ اسلمی اپنے والد (حمزہ بن عمر اسلمی) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ایک دستے کا امیر بنایا تھا۔ کہتے ہیں کہ جب میں روانہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اگر تمہیں فلاں شخص مل جائے تو اس کو آگ سے جلا دینا''۔ میں نے پیٹھ پھیری تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے واپس بلایا۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس واپس آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تم فلاں کو پاؤ تو اسے قتل کر دینا، جلانا نہیں، بلاشبہ آگ سے عذاب آگ کا رب ہی دے سکتا ہے''۔ (مسند احمد: ۳/ ۴۹۴، سنن ابوداؤد، کتاب الجہاد، رقم: ۲۶۷۳، فتح الباری: ۶/ ۲۴۹)

نوٹ: دشمن کو آگ میں جلانا تو ممنوع ہے، البتہ جنگی حکمت عملی کے پیش نظر قلعوں اور عمارتوں کو ضرورت کے مطابق جلانے کی ممانعت نہیں اور یہی حکم گولہ باری اور بمباری کا ہے اور اس کی زد میں اگر کوئی آ جائے تو وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔

غیر مسلموں کے گھروں کی لوٹ مار کرنے کی ممنوع

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک غزوہ میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ سفر کی سعادت نصیب ہوئی۔ بعض لوگوں نے دوسروں کے راستے کو تنگ

کیا اور راہ چلتے مسافروں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی کو بھیج کر اعلان کروایا:

''جو شخص دوسروں کے گھروں میں گھس کر تنگ کرے یا راستوں میں لوٹ مار کرے اس کا یہ (دہشت گردانہ) عمل جہاد نہیں کہلائے گا''۔ (سنن ابوداؤد، کتاب الجہاد، رقم:۲۶۲۹)

دشمن کے مویشیوں، فصلوں اور املاک کو نقصان پہنچانے کی ممانعت

اسلام نہ خونِ ناحق کی اجازت دیتا ہے اور نہ دشمن کی سرزمین پر کھلی تباہی و بربادی کا خواہاں ہے۔ اسلام امن و اصلاح کا داعی ہے اس لئے حالتِ جنگ میں بھی اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ نہ کھیتیاں برباد ہوں، نہ پھل دار درخت کاٹے جائیں اور نہ املاک کو نذرِ آتش کیا جائے۔ چنانچہ روایات میں آیا ہے کہ:

● ''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابی سفیان کو (دورانِ جنگ) پھل دار درخت کاٹنے یا عمارت کو تباہ کرنے سے منع فرمایا اور آپ کے بعد بھی مسلمان اسی پر عمل پیرا رہے''۔ (سنن ترمذی، کتاب السیر، باب فی التحریق والتخریب، رقم:۱۵۵۲)

● ابن ابی شیبہ حضرت مجاہد سے بیان کرتے ہیں کہ ''جنگ میں کسی بچے، عورت یا بوڑھے کو قتل نہ کیا جائے اور نہ ہی کھانے اور کھجور کے درختوں کو جلایا جائے، اور نہ ہی گھروں کو ویران کیا جائے اور نہ ہی پھل دار درختوں کو کاٹا جائے''۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ: ۶/ ۴۸۳، رقم:۳۳۱۲۲)

اسی طرح کی ایک اور روایت میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لشکر کو شام کی طرف روانہ کیا تو اس کے ساتھ تقریباً دو میل چلے اور اہل لشکر کو مخاطب کر کے فرمایا:

''میں تمہیں اللہ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں، (اور یہ کہ) نافرمانی نہ کرنا، بزدلی نہ کرنا، کھجور کے درختوں کو تباہ نہ کرنا، کھیتیاں نہ جلانا، چوپایوں کو قید کر کے نہ رکھنا، کسی پھل دار درخت کو نہ کاٹنا اور نہ کسی شیخ فانی کو قتل کرنا نہ کسی چھوٹے بچے کو''۔ (مسند ابی بکر للمروزی:۶۹۔۷۲، رقم:۲۱)

● عاصم بن کلیب نے اپنے والد ماجد سے روایت کیا ہے کہ ایک انصاری نے بیان کیا ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکلے تو لوگوں کو کھانے پینے کی بڑی شدت محسوس ہوئی اور وقت کا سامنا کرنا پڑا۔ پس انہیں بکریاں ملیں تو انہیں لوٹ کر ذبح کر لیا۔

کھانے کی ہانڈیوں میں ابال آ رہا تھا کہ کمان سے ٹیک لگائے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے اور اپنی کمان سے ہماری ہانڈیوں کو الٹنا شروع کر دیا اور گوشت کو مٹی میں ملانا شروع کر دیا۔ پھر ارشاد فرمایا: ''لوٹ مار (کا کھانا) مردار جانوروں کے گوشت سے زیادہ حلال نہیں ہے''۔ (سنن ابوداؤد، کتاب الجہاد، رقم: ۲۷۰۵۔ السنن الکبری للبیہقی: ۹/۶۱، رقم: ۱۷۷۸۹)

خلفاء راشدین کے ادوار میں غیر مسلم شہریوں کا تحفظ

ذیل کی سطور میں چند ایسے تاریخی واقعات پیش کیے جا رہے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے اسلامی ریاست میں غیر مسلم شہریوں کے جان، مال، عزت، مذہبی آزادی اور معاشرتی حقوق کے تحفظ کو اپنی شرعی اور ریاستی ذمہ داری سمجھا، اور ان حقوق کی حفاظت کے لیے عملی اقدامات بھی کیے۔

عہدِ صدیقی میں غیر مسلم شہریوں کا تحفظ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالتے ہی اسلامی ریاست کو عدل، رحم اور انسانی احترام کی بنیادوں پر استوار رکھا۔ آپ کے دور میں غیر مسلم شہریوں کے جان و مال، مذہبی آزادی اور عبادت گاہوں کے تحفظ کو باقاعدہ سرکاری ہدایات کا حصہ بنایا گیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی فوجی ہدایات

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شام کی طرف روانہ ہونے والے لشکر کے سپہ سالار حضرت یزید بن ابی سفیانؓ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

''کسی عورت، بچے یا بوڑھے کو قتل نہ کرنا، پھل دار درخت نہ کاٹنا، کھیتیوں کو تباہ نہ

کرنا، کسی جانور کو بلاضرورت ذبح نہ کرنا، عبادت گاہوں میں گوشہ نشین راہبوں کو ان کی عبادت میں مشغول رہنے دینا اور انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچانا''۔

(تاریخ طبری)، دارالتراث، بیروت، جلد ۳، صفحہ ۲۲۶؛ البدایۃ والنہایۃ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، جلد ۶، صفحہ ۳۰۱)

جنگ کے دوران غیر مسلموں اور راہبوں کے تحفظ کا حکم

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت یزید بن ابی سفیانؓ کو شام کی طرف لشکر کے ساتھ روانہ فرمایا تو انہیں یہ تاریخی ہدایات دیں:

''کسی عورت، بچے یا بوڑھے کو قتل نہ کرنا، کسی پھل دار درخت کو نہ کاٹنا، کھیتیوں کو تباہ نہ کرنا، کسی بکری، گائے یا اونٹ کو صرف کھانے کی ضرورت کے بغیر ذبح نہ کرنا، اور تم ایسے لوگوں کے پاس سے گزرو گے جو عبادت گاہوں میں اللہ کی عبادت کے لیے گوشہ نشین ہیں، انہیں ان کی عبادت میں مشغول رہنے دینا اور انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچانا''۔ (البدایۃ والنہایۃ، جلد ۶، صفحہ ۳۰۱)

معاہدات کی پابندی کا حکم

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی افواج کو یہ بھی تاکید فرمائی کہ جن غیر مسلم اقوام کے ساتھ امن کا معاہدہ ہو، اس کی مکمل پابندی کی جائے، ان کے حقوق کی حفاظت کی جائے اور کسی بھی صورت میں بدعہدی نہ کی جائے۔

یہ اسلامی ریاست کی اس بنیادی پالیسی کا اظہار تھا کہ غیر مسلم شہریوں اور معاہد اقوام کے جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ مسلمانوں پر شرعی ذمہ داری ہے۔

(امام ابو یوسف، کتاب الخراج، صفحہ ۱۹۱، دارالمعرفۃ، بیروت۔ امام بلاذری، فتوح البلدان، صفحہ ۱۱۶)

مذہبی شخصیات اور عبادت گاہوں کا احترام

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کو ہدایت فرمائی کہ گرجا گھروں اور خانقاہوں میں عبادت کرنے والے راہبوں کو ان کی عبادت میں خلل نہ پہنچایا جائے اور نہ ہی ان کی عبادت گاہوں کو نقصان پہنچایا جائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست نے

ابتدا ہی سے غیر مسلموں کی مذہبی آزادی اور عبادت گاہوں کے احترام کو تسلیم کیا تھا۔
(تاریخ الطبری، جلد ۳، صفحہ ۲۲۶، الکامل فی التاریخ، جلد ۲، صفحہ ۲۴۶)

عہد فاروقی میں غیر مسلموں کے تحفظ

حضرت عمرؓ کا گورنروں کو حکم

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کو سختی سے ہدایت فرمائی: ''اہلِ ذمہ پر ظلم نہ کرنا، انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ دینا اور ان کے اموال ناحق نہ لینا''۔
(کتاب الخراج، امام ابو یوسف، دار المعرفۃ، بیروت، ص 144-145 (بعض طبعات میں ص 152)

حضرت عمرؓ کا ایک بوڑھے یہودی کی کفالت کرنا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں ایک نابینا اور ضعیف یہودی کو بھیک مانگتے دیکھا۔ آپ نے دریافت کیا کہ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟ اس نے بتایا کہ جزیہ اور معاشی ضرورت نے اسے مجبور کر دیا ہے۔ حضرت عمرؓ اسے اپنے گھر لے گئے، مالی مدد کی، پھر بیت المال کے ذمہ دار کو حکم دیا:

اس جیسے تمام بوڑھے، کمزور اور محتاج اہلِ ذمہ سے جزیہ ختم کر دو اور ان کا خرچ بیت المال سے مقرر کرو۔ پھر آپ نے سورۂ توبہ (آیت:60) کی تلاوت فرمائی۔
(امام ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۱۲۶-۱۲۷؛ امام ابو عبید قاسم بن سلام، کتاب الاموال، ص ۴۸۔)

حضرت عمرؓ کی آخری وصیت

شہادت سے قبل حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو یہ وصیت فرمائی: ''میں اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ذمہ میں آنے والے اہلِ ذمہ کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ ان سے کیے گئے معاہدوں کو پورا کیا جائے، ان کے دفاع کے لیے جنگ کی جائے، اور ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے''۔
(صحیح بخاری حدیث:3052؛ ابن ابی شیبہ، المصنف، جلد ۷، صفحہ ۴۳۶، اثر نمبر: ۳۷۰۵۹)

حضرت علیؓ کا مساوی عدل

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا زرہ ایک عیسائی کے پاس پایا گیا۔ مقدمہ قاضی شریحؒ کی عدالت میں پیش ہوا۔ حضرت علیؓ نے گواہ پیش کیے، لیکن شرعی اصول کے مطابق شہادت مکمل نہ ہونے کی وجہ سے قاضی نے فیصلہ عیسائی کے حق میں دیا۔

حضرت علیؓ نے عدالتی فیصلے کو بخوشی قبول کیا۔ اس غیر معمولی انصاف سے متأثر ہو کر اس عیسائی نے اعتراف کیا کہ زرہ واقعی حضرت علیؓ کی تھی اور بعد میں اسلام قبول کر لیا۔ (تاریخ دمشق، جلد ۴۲، صفحہ 476)

حضرت عمرؓ کے ذریعہ اقلیتوں کے حالات معلوم کرنا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب مختلف علاقوں سے آنے والے وفود سے ملاقات کرتے تو مسلمانوں کے حالات کے ساتھ اہلِ ذمہ کے بارے میں بھی دریافت کرتے کہ کہیں ان پر ظلم یا زیادتی تو نہیں ہو رہی۔ وفود جواب دیتے کہ مسلمان ہمارے ساتھ کیے گئے معاہدوں کی پوری پابندی کرتے ہیں۔ (تاریخ طبری، جلد ۲ صفحہ 503)

عہدِ فاروقی میں بھی غیر مسلم شہریوں کے تحفظ اور حقوق کے ساتھ ساتھ نفسِ انسانی کے احترام اور وقار میں اس قدر اضافہ ہوا کہ مفتوحہ علاقوں کے غیر مسلم شہری اسلامی ریاست میں اپنے آپ کو زیادہ محفوظ سمجھتے تھے۔

شام کے گورنر کو فرمان

● حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کے گورنر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو جو فرمان لکھا اس میں منجملہ دیگر احکام کے ایک یہ حکم بھی درج تھا: ’’(تم بحیثیت گورنر) مسلمانوں کو غیر مسلم شہریوں پر ظلم کرنے اور انہیں ضرر پہنچانے اور ناجائز طریقے سے ان کے مال کھانے سے سختی کے ساتھ منع کرو‘‘۔ (کتاب الخراج لابی یوسف: ۱۵۲)

غیر مسلموں کے لئے وصیت

● امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی زندگی کے آخری لمحے تک اقلیتوں کا خیال تھا حالانکہ ایک اقلیتی فرقہ کے فرد نے آپ کو شہید کیا۔ اس کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

''میں اپنے بعد والے خلیفہ کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمہ میں آنے والے غیر مسلم شہریوں کے بارے میں یہ وصیت کرتا ہوں کہ ان سے لئے ہوئے عہد کو پورا کیا جائے، ان کی حفاظت کے لئے بوقتِ ضرورت لڑا بھی جائے اور ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے''۔

(صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی قبر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رقم:۱۳۲۸۔ مصنف ابن ابی شیبہ:۴۳۶/۷۰، رقم:۳۷۰۵۹۔ السنن الکبری بیہقی:۱۵۰/۸)

عہدِ عثمانی میں غیر مسلم شہریوں کا تحفظ

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت (23-35ھ) میں اسلامی ریاست کی حدود وسیع ہوئیں اور متعدد نئے علاقے اسلامی حکومت میں شامل ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے پیش رو خلفائے راشدین کی پالیسی کو برقرار رکھتے ہوئے غیر مسلم شہریوں کے جان، مال، عزت، مذہبی آزادی اور معاہدات کی مکمل حفاظت کا اہتمام فرمایا۔

عہد و پیمان کی پابندی کا حکم

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے گورنروں کو مسلسل یہ ہدایت دیتے تھے کہ اہلِ ذمہ اور معاہد غیر مسلموں کے ساتھ کیے گئے معاہدوں کی مکمل پابندی کی جائے، ان پر ظلم نہ کیا جائے اور ان کے حقوق کی حفاظت کی جائے۔

(تاریخ طبری، جلد 4، دار التراث، بیروت، ص 265۔ البدایۃ والنہایۃ، جلد 7، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ص 184)

عبادت گاہوں اور مذہبی آزادی کا تحفظ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں آرمینیہ، افریقہ اور قبرص سمیت متعدد علاقوں میں اسلامی حکومت قائم ہوئی۔

ان علاقوں کے باشندوں کے ساتھ ہونے والے معاہدات میں ان کے گرجا گھروں، عبادت گاہوں اور مذہبی رسوم کی حفاظت کی ضمانت دی گئی، اور انہیں اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی دی گئی۔

(فتوح البلدان، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ص215-220۔)

غیر مسلم رعایا پر ظلم سے ممانعت

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال اور حکام کو ہدایت فرمائی کہ وہ رعایا کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ کریں، کسی پر زیادتی نہ کریں اور خصوصاً اہلِ ذمہ کے حقوق کی حفاظت کو اپنی ذمہ داری سمجھیں۔

یہی وجہ تھی کہ آپ کے دور میں مفتوحہ علاقوں کے غیر مسلم شہری بڑی حد تک اپنے مذہبی، معاشرتی اور معاشی حقوق سے بہرہ مند رہے اور اسلامی حکومت کے عہد و پیمان پر اعتماد کرتے تھے۔ (امام ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، جلد3، دار صادر، بیروت، ص67۔)

عہدِ علوی میں غیر مسلم شہریوں کا تحفظ

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت (35-40ھ) میں اگرچہ داخلی فتنوں اور جنگوں کی وجہ سے سیاسی حالات نہایت پیچیدہ تھے، اس کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ نے اسلامی عدل، مساوات اور انسانی احترام کے اصولوں پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا۔

آپ کے نزدیک اسلامی ریاست میں رہنے والے تمام شہری، خواہ مسلمان

ہوں یا غیر مسلم، قانون کی نظر میں برابر تھے اور ان کے جان، مال اور عزت و آبرو کا تحفظ ریاست کی ذمہ داری تھا۔

ایک عیسائی کے ساتھ مساوی انصاف

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زرہ گم ہوگئی۔ بعد میں وہ ایک عیسائی کے پاس پائی گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قاضی شریحؒ کی عدالت میں مقدمہ پیش کیا۔ قاضی نے حضرت علیؓ سے شرعی اصول کے مطابق گواہ طلب کیے۔

حضرت حسنؓ اور قنبرؒ کی گواہی شرعی ضابطے کے مطابق اس مقدمہ میں کافی نہ سمجھی گئی، لہٰذا قاضی نے فیصلہ عیسائی کے حق میں کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بلا تردد عدالتی فیصلے کو قبول کر لیا۔

حضرت علیؓ کے اس بے مثال انصاف اور قانون کی بالادستی سے متأثر ہو کر اس عیسائی نے اعتراف کیا کہ زرہ دراصل حضرت علیؓ ہی کی تھی، پھر اس نے اسلام قبول کر لیا۔ (امام بیہقی، السنن الکبریٰ، جلد 10، صفحہ 136، امام ابن عساکر، تاریخ دمشق، جلد 42، صفحہ 476)

رعایا کے ساتھ عدل و انصاف کی تاکید

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنر حضرت مالک اشترؒ کو مصر روانہ کرتے ہوئے ایک تاریخی فرمان لکھا، جس میں فرمایا:

''لوگ دو قسم کے ہیں: ایک تمہارے دینی بھائی ہیں اور دوسرے انسانیت میں تمہارے ہم مثل ہیں''۔

پھر آپ نے ہدایت فرمائی کہ رعایا کے ساتھ نرمی، عدل، رحم اور انصاف کا معاملہ کیا جائے، ان پر ظلم نہ کیا جائے، اور ان کے حقوق کی حفاظت کی جائے۔

یہ فرمان اسلامی طرزِ حکومت میں غیر مسلم شہریوں سمیت تمام رعایا کے ساتھ

مساوی سلوک اور انسانی احترام کا روشن نمونہ ہے۔

(امام ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، جلد 17، صفحہ 33، دار إحیاء الکتب العربیہ، قاہرہ۔)

بیت المال میں مساوات

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیت المال کی تقسیم میں مسلمان اور غیر مسلم رعایا کے قانونی حقوق کا پورا لحاظ رکھتے تھے۔

آپ کسی شہری کے ساتھ حسب ونسب، قبیلہ یا سماجی حیثیت کی بنیاد پر امتیاز روا نہیں رکھتے تھے، بلکہ عدل و مساوات کو اسلامی حکومت کی بنیاد قرار دیتے تھے۔

(الطبقات الکبریٰ، جلد 3، صفحہ 28–30، امام ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، جلد 3، صفحہ 192)

خلاصہ:

اسلام نے غیر مسلم شہریوں کے جان، مال، عزت، مذہبی آزادی اور عبادت گاہوں کے تحفظ کو بنیادی انسانی حق قرار دیا ہے۔ قرآن وسنت میں ان پر ظلم، ناحق قتل، لوٹ مار، عبادت گاہوں کی بے حرمتی اور معاہدوں کی خلاف ورزی کو سختی سے منع کیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین نے عملی طور پر عدل، مساوات، مذہبی آزادی اور انصاف کی ایسی مثالیں قائم کیں جن میں مسلمان اور غیر مسلم دونوں کے حقوق یکساں محفوظ تھے۔ اسلامی ریاست پر لازم قرار دیا گیا ہے کہ وہ ہر حال میں غیر مسلم شہریوں کی جان ومال، عزت اور مذہبی حقوق کا تحفظ کرے اور ان کے ساتھ مکمل انصاف سے پیش آئے۔

دعاؤں کا طالب
مفتی محمد سرور فاروقی ندوی